ماہنامہ

حکمۃ قرآن

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مَوْتُ العَالِمِ مَوْتُ العَالَم

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ

اور مولانا عبید اللہ انور کی رحلت

از، اسرار احمد

برِ عظیم پاک و ہند کے نامور عالمِ دین، دار العلوم دیوبند کے مایۂ ناز فرزند اور اس کی مجلسِ شوریٰ کے اہم رکن حضرت شیخ الہندؒ اکیڈمی دیوبند کے ڈائریکٹر، مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے علم و فضل کی نمایاں نشانی، ندوۃ المصنفین دہلی کے رکنِ رکین، متعدد اعلیٰ علمی و دینی کتب کے مصنف، ماہنامہ 'برہان' دہلی کے نصف صدی سے زائد عرصہ تک مستقل مدیر، مدرسہ عالیہ کلکتہ کے سابق پرنسپل اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق ڈین آف تھیالوجی، قادر الکلام مقرر اور عربی اور انگریزی پر یکساں قدرت رکھنے والے عظیم دانشور، الغرض قدیم اور جدید کے حسین ترین امتزاج کے پیکر ــــ مولانا سعید احمد اکبر آبادی اس عالمِ فانی میں ۷۷ سال کی مصروف اور بھرپور زندگی گذارنے کے بعد چند ماہ صاحبِ فراش رہ کر عروس البلاد، کراچی میں ۲۴ مئی بروز جمعہ عالمِ جاودانی کو رحلت فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اس وقت مرحوم کے محامد و محاسن اور ان کی علمی و دینی خدمات کا تفصیلی تذکرہ نہ ضروری ہے نہ ممکن۔ الحمد للہ کہ 'حکمت قرآن'، کی اشاعت بابت اگست ۸۴ء میں اس موضوع پر ایک مفصل مقالہ ان کے شاگرد اور داماد پروفیسر محمد اسلم صاحب کے قلم سے شائع ہو چکا ہے ــــ اس وقت صرف اس حقیقت کا ذکر مناسب ہے کہ مولانا کی وفات راقم الحروف کے لئے ایک عظیم ذاتی نقصان اور صدمے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ ادھر چار پانچ سال سے موصوف نے راقم اور اس کی دینی خدمات کے زبردست مؤید بلکہ سرپرست کی حیثیت اختیار فرمالی تھی۔ فجزاہ اللہ عنی و عن جمیع رفقائی خیر الجزاء ــــ مولانا کی راقم کی ذات اور اس کے کاموں سے دلچسپی اور تعاون کا ایک مظہر یہ ہے کہ وہ گذشتہ کئی سال سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی سالانہ قرآن کانفرنسوں اور محاضراتِ قرآنی میں پابندی اور التزام کے ساتھ شرکت فرما رہے تھے ــــ ان کی شدید خواہش بلکہ پختہ ارادہ تھا کہ وہ اس سال کے محاضرات میں بھی شرکت فرمائیں گے لیکن معالجین کی جانب سے سخت پابندی کے باعث ایسا نہ ہو سکا ــــ تاہم انہوں نے ایک مفصل انٹرویو ریکارڈ کرا دیا جو ماہنامہ "میثاق" کی اشاعت بابت مئی ۸۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔

گذشتہ سات آٹھ ماہ سے راقم الحروف کا 'شامِ الہدیٰ، کراچی'، کے ضمن میں ہر ماہ کراچی جانا ہوتا ہے۔ لہٰذا جب سے مولانا کراچی تشریف لائے راقم ہر ماہ ان کی خدمت میں حاضری دیتا رہا۔ متعدد

(بقیہ ٹائیٹل کے صفحہ ۳ پر)

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ ۲۶۹)

ماھنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

جلد ۴	جون ۱۹۸۵ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ	شمارہ ۴

سالانہ زرِ تعاون -/۳۰ روپے ——— فی شمارہ -/۳ روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور

——— یکے از مطبوعات ———

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

فون: ۸۵۳۴۱۱

مضمون نگار حضرات کی آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرس

★ حرفِ اوّل ______ ۳
عاکف سعید
★ الٓمٓرٓ (سورۃ اعراف) ______ ۵
ڈاکٹر اسرار احمد
★ ایک قرآنی آیت اور اس کا مفہوم ______ ۱۱
مولانا سعید الرحمٰن علوی
★ ایمان اور اس کے ثمرات و مضمرات ______ ۲۵
سورۃ تغابن کی روشنی میں (آخری قسط)
ڈاکٹر اسرار احمد
★ علامہ اقبال کا پیغام اُمتِ مسلمہ کے نام ______ ۳۵
ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب
★ مسلمان کے دینی فرائض ______ ۵۱
میر قطب الدین علی چشتی
★ تبادلۂ خیال ______ ۶۵
ڈاکٹر اسرار احمد کی بیعت سمع و طاعت اور عبد المجیب صاحب کا منفی طرزِ فکر
مولانا سعید الرحمٰن علوی
★ تعارف و تبصرہ ______ ۷۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

جنوری ۸۵ء کے حکمتِ قرآن میں شائع شدہ محترم محمد رفیق چودھری صاحب کے مضمون "سیرتُ النبی قرآن حکیم کی روشنی میں" کے بارے میں ہمارے بعض قارئین نے توجہ دلائی ہے کہ اُس کے صفحہ ۴۶ پر ایک عبارت غیر محتاط ہے اور اسے پڑھ کر ایک عام قاری تشویش محسوس کرنے لگتا ہے ——— وہ عبارت کچھ یوں ہے "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چند لغزشیں بھی ہوئیں۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے فوراً معاف کر دیا۔"

اس ضمن میں چند باتیں بطور وضاحت پیشِ خدمت ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ معصومیتِ انبیاء سے مراد یہ ہے کہ نبی سے اوّل تو غلطی کا صدور ہی ممکن نہیں۔ تاہم اگر کبھی اجتہادی خطا ہو جائے تو اللہ تعالےٰ فوراً متنبہ فرما دیتے ہیں اور نبی کو اُس خطا پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا۔ یہی مفہوم ہے عصمتِ انبیاء کا۔ ایک بات مزید واضح رہنی چاہیئے کہ نبی کی خطاء کبھی جانبِ نفس یا جانبِ شر میں نہیں ہوتی، بلکہ یہ اجتہادی خطا بھی جانبِ خیر ہی میں ہوتی ہے۔ نبی کے دل میں خلق کے لئے جو رحمت اور شفقت کے جذبات ہوتے ہیں وہ اتنے شدید ہوتے ہیں کہ یہ رحمت و شفقت بعض اوقات مومنین کے ساتھ ساتھ کافروں اور منافقوں کو بھی اپنے زیرِ سایہ لے لیتی ہے۔ چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر جب اسی قلبی رحمت اور رافت کی شدت میں آپؐ نے اسیرانِ بدر کو معمولی فدیے کے بدلے میں رہا کر دیا، تو اس پر اللہ تعالےٰ نے قدرے اظہارِ خفگی فرمایا۔ اسی قسم کے بعض مواقع پر اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں تنبیہ فرمائی ہے لیکن ساتھ ہی فرما دیا کہ اللہ تعالےٰ آپؐ کی ایسی تمام خطاؤں کو معاف کر چکا ہے۔ بہرحال یہ واضح رہنا چاہیئے کہ نبی کی یہ تمام خطائیں، جن کا قرآن حکیم میں ذکر ہے، جانبِ خیر میں تھیں جانبِ شر میں یا جانبِ نفس میں نہیں تھیں، یعنی نیکی، خیر، رحمت اور

سلسلہ تقاریر السّٓمّٓ

سورۂ اعراف

ڈاکٹر اسرار احمد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ الٓمّٓصٓ ۝
کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْہُ لِتُنْذِرَ بِہٖ وَ
ذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ
دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ ط قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ۝ وَکَمْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا فَجَآءَھَا
بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْ ھُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ۔

قرآن حکیم کی دوسری سورہ جو ۴ حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہے، سورۂ اعراف ہے۔ اس سورۂ کا آغاز ' الٓمّٓصٓ ' کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ ان حروف مقطعات کے بارے میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے یہ ہے کہ یہ قائم مقام ہیں ایک مکمل جملے کے اور وہ جملہ ہے۔ ' اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ وَ اُفَصِّلُ ' یعنی " میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا بھی ہوں اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا بھی "۔ واللہ اعلم! یہ سورۂ مبارکہ قرآن حکیم کی سب سے بڑی مکی سورہ ہے۔ مصحف میں یہ سوا پارے پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی آیات کی تعداد اگرچہ سورۃ الشعراء سے کم ہے، یعنی سورۃ اعراف کی آیات ۲۰۶ ہیں اور سورۂ شعراء کی آیات جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے ۲۲۷ ہیں، اور دونوں سورتیں مکی ہیں، لیکن حجم کے اعتبار سے یہ سورہ سورۂ شعراء سے ڈھائی گنا سے بھی زیادہ بڑی ہے، اور اس کے کل ۲۴ رکوع ہیں۔

یہ سورہ اپنے مضامین کے اعتبار سے اپنے ماقبل کی سورہ یعنی سورہ انعام کے ساتھ مل کر ایک مکمل جوڑے کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اور اس میں قرآن حکیم کی مکی سورتوں کے تمام مضامین اختصار کے ساتھ آ گئے ہیں۔ گویا کہ سورۂ انعام اور سورۂ اعراف کو مکی قرآن کا خلاصہ قرار دیا جا سکتا

ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں اور سورۂ
انعام میں مضامین کی تقسیم تقریباً وہی ہے جو ہم اس سے پہلے 'الٓرٰ' کی سیریز کی دو سورتوں یعنی سورۂ یونس اور سورہ ہود میں دیکھ چکے ہیں۔ یعنی سورۂ انعام میں اکثر و بیشتر مضمون 'التذکیر بآلاءِ اللہ' اور 'التذکیر بآیات اللہ' ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حوالے سے اور مظاہر فطرت کے حوالے سے تلقین اور نصیحت اور ایمان باللہ کی دعوت۔ جبکہ سورۂ اعراف میں جو مرکزی مضمون ہے وہ ہے 'التذکیر بایام اللہ'، یعنی تاریخ کے حوالے سے موعظت اور نصیحت اور اس دعوت کو قبول کرنے کی تلقین جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورۂ انعام میں صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا، یا انکے ساتھ حضرت اسحاق اور یعقوب کا۔۔۔۔ جبکہ سورۂ اعراف میں جیسا کہ بعض دوسری سورتوں مثلاً سورۂ شعراء اور سورۂ ھود میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام ان سب کا ذکر آیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں دیگر تمام رسولوں کا ذکر تقریباً ایک ایک رکوع میں ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے احوال و واقعات تقریباً ۹ رکوعوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس سورہ مبارکہ کے آغاز اور اختتام پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ مکی سورتوں کے عام اسلوب کے مطابق قرآن مجید کا ذکر ہے۔

سورۃ کا آغاز ان الفاظ مبارکہ سے ہوتا ہے۔

الٓمٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کتاب آپؐ پر نازل فرمائی گئی لیکن اس لیے نہیں کہ اس سے آپؐ کے سینے میں تنگی ہو، آپؐ کو دقت کا سامنا ہو۔ یہ وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے سورۃ الشعراء میں آچکا ہے۔" فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ "اور جیسے سورہ طٰہٰ کے آغاز میں فرمایا گیا۔ "طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى" یعنی "ہم نے یہ قرآن آپؐ پر اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپؐ مشقت میں پڑ جائیں یا آپؐ ناکام و نامراد ہوں"، معاذ اللہ! اور اس سورۃ میں فرمایا:

فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ.... یعنی اس کتاب کے نزول سے آپ کے سینے میں کسی قسم کی کوئی تنگی نہیں پیدا ہونی چاہیے بلکہ اس کا مقصد نزول تو یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے آپؐ لوگوں

کو خبردار کریں۔ اور اہل ایمان کے حق میں یہ نصیحت بنے۔ اختتام پر ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ

"میں تو پیروی کرتا ہوں، میں تو خود پابند ہوں اسکا جو وحی کیا جارہا ہے میری طرف، میرے رب کی طرف سے۔"

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

یعنی یہ تمہارے رب کی طرف سے سجھائی ہے تمہیں حقائق سے مطلع کرنے کے لیے۔ یہ بصائر ہیں جو نازل ہو رہے ہیں اور ہدایت ہے، رحمت ہے ان لوگوں کے حق میں جو ایمان لائے ہیں۔ ساتھ ہی ایک بڑی پیاری ہدایت یہ دی گئی۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

"جب قرآن پڑھا جایا کرے تو پوری توجہ سے سنا کرو، کان لگا کر اس کو سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

ابتدائی رکوع میں ایک اور آیت نہایت اہم ہے اور فلسفۂ نبوت و رسالت کے اعتبار سے بڑی اساسی اہمیت کی حامل ہے فرمایا گیا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ

"ہم پوچھ کر رہیں گے ان سے بھی جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا، اور ہم پوچھیں گے رسولوں سے بھی"۔ واقعہ یہ ہے کہ رسالت ایک بڑی نازک اور بڑی کٹھن ذمہ داری ہے۔ اللہ کا پیغام بندوں کو پہنچانا بہت نازک ذمہ داری ہے۔ آپ اس سادہ سی مثال کو اگر سامنے رکھیں کہ اگر ہم اپنے کسی عزیز کو کوئی پیغام کسی کے ذریعے سے بھیجیں کہ فلاں کام فلاں وقت تک ہو جانا چاہیئے ورنہ بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔ اور وہ کام نہ ہوا ہو تو ہماری تشویش دو رُخ اختیار کرے گی۔ آیا اس عزیز کو وہ پیغام پہنچا ہی نہیں اگر ایسا ہے تو سارا قصور اس پیغام بر کا ہے جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ پیغام پہنچائے۔ اور ہمارا وہ عزیز بری ہو جائے گا جس کی طرف ہم نے پیغام بھیجا تھا۔ لیکن اگر پیغام بر نے اپنا فرض ادا کر دیا تو اب پوری ذمہ داری اس شخص کی ہے کہ جسے پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔ چنانچہ آخرت میں بھی جب اُمتوں کا محاسبہ ہوگا تو سب سے پہلے گواہوں کے کٹہرے میں رسولوں کو لایا جائے گا۔ اور ان سے یہی سوال کیا جائے گا کہ جو پیغام ہمارا تم تک پہنچا تھا، تم نے اس کو بلا کم و کاست اپنی قوم تک پہنچا دیا تھا یا نہیں؟ اور رسول

ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ سرکاری گواہوں (PROSECUTION WITNESS) کی حیثیت سے گواہی دیں گے TESTIFY کریں گے کہ اے پروردگار! تیرا جو پیغام ہم تک پہنچا تھا ہم نے اپنی قوم کو بلاکم وکاست پہنچا دیا تھا چنانچہ اس کے بعد پھر اُس اُمت کا محاسبہ شروع ہو گا جس کی طرف رسُول کو بھیجا گیا تھا۔

اس سورۂ مبارکہ کے دوسرے رکوع میں تخلیقِ آدم اور قصۂ آدم و ابلیس پھر بیان ہوا ہے اور اس ضمن میں یہاں بڑے قابلِ توجہ الفاظ ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

"اے بنی نوعِ انسان ہم نے تمہیں تخلیق فرمایا پھر تمہاری تصویر کشی کی اور پھر ہم نے کہا فرشتوں سے کہ جھک جاؤ آدم کے سامنے"! ان الفاظ میں ایک اشارہ ملتا ہے اس بات کی طرف کہ تخلیق میں ابتداءً ایک نوع کی تخلیق ہوئی اور پھر اس نوع کے ایک منتخب فرد کو چن کر اُس میں روحِ ربّانی پھونکی گئی جس کا ذکر سورہ صٓ اور سورۂ حجر کے ضمن میں آچکا ہے کہ "وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ" اور جس کی جانب اشارہ سورہ سجدہ میں بھی آچکا ہے، اس منتخب فرد میں جب روحِ ربانی پھونکی گئی تب وہ حضرت آدم بنے 'علیہ الصلوٰۃ والسلام' اور اس لائق ہوئے کہ وہ مسجودِ ملائک قرار پائیں۔

آخری حصے میں ابتدائے آفرینش کا ایک دوسرا واقعہ بیان ہوا ہے جسے ہم عہد الست کے نام سے جانتے ہیں تمام نوعِ انسانی کے افراد کی ارواح کو جمع کیا گیا اور ان سے وہاں وہ قول و قرار لیا گیا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۚ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا کیا میں تمہارا مالک تمہارا رب، تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ اور تمام انسانوں کی ارواح نے اس وقت اقرار کیا۔ بَلٰى شَهِدْنَا۔ کیوں نہیں ہم اس پر گواہ ہیں کہ اے پروردگار! تو ہی ہمارا مالک ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ

"مبادا تم قیامت میں یہ عذر پیش کرو کہ ہمیں تو یہ عہد یاد نہیں رہا تھا ہم تو غفلت میں تھے۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ

یا یہ تم بہانہ تراشو کہ درحقیقت یہ شرک کرنے والے ہمارے آباؤاجداد تھے، انہوں نے ریت ڈالی تھی ہم تو اُن کی پیروی کرنے والے تھے۔ گویا کہ اصل مجرم وہ ہیں ہم نہیں۔ اس کے خلاف برہان قاطع ہے یہ عہد جو تم میں سے ایک ایک نے اپنے پروردگار سے کیا تھا۔ اور جس کی یاد دہانی قرآن مجید میں کرا دی گئی ہے۔

اس سورہ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات تفصیل سے آئے ہیں۔ خاص طور پر تفصیل سے بنی اسرائیل کے وہ حالات بیان ہوئے ہیں جو مصر سے نکلنے کے بعد پیش آئے۔ ان کے ضمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور پر حاضری اور وہاں آنجناب کو ان الواح کا عطا کیا جانا جن میں توریت لکھی ہوئی تھی اسکا بھی ذکر ہے۔ اور پھر خاص طور پر نہایت تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ مذکور ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں قوم فتنے میں مبتلا ہوگئی اور ایک کثیر تعداد میں لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کردی۔ جب آنجناب لوٹے ہیں تو آپ نے قوم کے ان لوگوں کو جو اس جرم میں ملوث ہوئے تھے شدید سزا دی، غالباً تاریخ انسانی کی یہ بہت بڑی PURGE ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس وقت اپنی قوم کی کی ہے۔ کئی ہزار یہودی جو کہ اس جرم کے مرتکب ہوئے تھے اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے۔ اور اس کے بعد پھر اجتماعی توبہ کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ۷۰ سرکردہ افراد کو لے کر کوہ طور پر حاضر ہوئے۔ یہاں جو دعا آنجناب نے مانگی اسمیں یہ الفاظ بھی آئے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ

اے رب! ہمارے لیے اس دنیا اور آخرت دونوں میں اپنی رحمت اور اپنے اچھے سلوک اور اجر و ثواب کو لکھ دے، طے کردے ہم نے تیری طرف توبہ کی۔ اسکے جواب میں اللہ نے ارشاد فرمایا۔

قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

میرا عذاب تو اسی پر مسلط ہوگا جس کے بارے میں فیصلہ کروں گا۔ رہی میری رحمت تو وہ تو ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ باقی اگر میری خصوصی رحمت کے طلبگار ہو تو

فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ ۝

"میں نے اپنی رحمت خصوصی لکھ دی ہے ان لوگوں کے لیے جو مجھ پر ایمان لائیں گے تقویٰ کی روش اختیار کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور میرے اُس رسول نبی اُمّی کی پیروی کریں گے، جن کا ذکر انہیں اپنی کتاب یعنی توریت میں لکھا ہوا ملے گا۔" بڑے پیارے الفاظ ہیں۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

کہ جو لوگ میرے اُس نبی، اُس رسول اُمّی پر ایمان لائیں گے، ان کا احترام اور ادب اور تعظیم کریں گے، انکی نصرت وتائید کریں گے، انکے مشن کی تکمیل میں انکے دست و بازو بنیں گے، اور اس نور کا اتباع کریں گے جو ان کے ساتھ نازل ہوگا یعنی قرآن حکیم، تو حقیقت میں فلاح پانے والے لوگ تو وہی ہونگے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ایسے ہی لوگوں کے زمرے میں شمار ہوں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

*****

بقیہ: ایک قرآنی آیت اور اسکا مفہوم

اور آخر میں متحدہ ہندوستان کے جلیل القدر عالم، بیہقیٔ وقت قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عالمانہ تفسیر مظہری کا متعلقہ مقام ملاحظہ فرمالیں۔ یہی اس حاصل مطالعہ کا آخری حصہ ہے، جس سے اُمید ہے کہ ہر نوع کی غلط فہمی اور بے احتیاطی ختم ہو جائے گی۔

من کسب سیئۃ، کسب کے معنی لغت میں نفع حاصل کرنے کے ہیں اور سیئۃ (گناہ) کے ساتھ اس کا تعلق بطور استہزا کے ہے کیونکہ گناہ تو سراسر نقصان کی شئے ہے نفع کی اس میں کونسی بات ہے؟ جیسے آیت فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ میں بشارت کا لفظ استہزا کے طور پر ہے واحاطت بہ خطیئتہ، مطلب یہ ہے کہ گناہ اس پر غالب ہو گئے، اور اس کے گرد و پیش کو محیط ہو گئے اور وہ گھرے ہوئے شخص کی طرح ہو گیا کہ کوئی جانب اس کی ایسی نہ رہی جو گناہوں سے خالی ہو۔

آیت کا یہ مضمون کفار ہی پر صادق ہے جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہے اُس پر صادق نہیں کیونکہ اُس کے ہر جانب اور ہر حصہ کو گناہ محیط نہیں ہوتا۔ بلکہ جس جگہ ایمان ہے (اور وہ دل ہے) وہ حصہ سالم ہے، اور اس بنا پر حضرت ابن عباس اور ضحاک اور ابوالعالیہ اور ربیع اور دیگر علماء رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے خطیئۃ سے مراد وہ شرک ہے جس پر آدمی مر جاوے، اس معنی کے موافق معتزلہ اور خوارج نے جو اس آیت سے یہ نکالا ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت مرتکب کبیرہ پر صادق ہی نہیں فَاُولٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ یعنی ان کو دوزخ لازم ہے جیسے کہ وہ یہاں اسباب دوزخ کو لازم ہیں۔

(مظہری ج ۱ ص ۵۱-۱۵۱ اردو ترجمہ مولانا سید الدائم الجلالی مطبوعہ دہلی ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء)

ایک قرآنی آیت اور اس کا مفہوم

مولانا سعید الرحمٰن علوی

قرآن عزیز کی سب سے بڑی سورۃ "البقرۃ" کی آیت ۸۱ کا متن ہے

بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ.

اس آیت کا ترجمہ کسی قدر تشریح کے ساتھ (گویا مفہوم) مولانا ابوالکلام آزاد قدس سرہ کے الفاظ میں یہ ہے "نہیں، (آخرت کی نجات کسی ایک گروہ ہی کی میراث نہیں ہے کہ ہر حال میں اس کے لیے ہو خدا کا قانون تو یہ ہے کہ کوئی انسان ہو اور کسی گروہ کا ہو لیکن) جس کسی نے بھی اپنے کاموں سے برائی کمائی اور اس کے گناہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا، تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا۔ (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۱۵ ساہتیہ ایڈیشن دہلی ۱۹۸۰)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے امسال انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام "محاضرات قرآنی" کے لیے "قرآن کا تصور فرائض دینی" کا عنوان اختیار کیا اور اس سلسلے میں آٹھ صفحات پر مشتمل ایک دعوت نامہ ملک کے یکصد کے قریب ذمہ دار علما، کو بھیجا جس میں ص ۲ پر یہ جملے تھے:

اس کے برعکس اگر جان بوجھ کر کوئی ایک "معصیت" بھی مستقل طور پر اختیار کر لی گئی اور اس پر توبہ کی بروقت توفیق نہ ملی تو اس سے نہ صرف تمام نیکیوں کے ضائع چلے جانے بلکہ جہنم میں داخلے، حتیٰ کہ "خلود فی النار" (جہنم میں ہمیشہ رہنا) تک کا اندیشہ ہے۔ (البقرہ - ۸۱) الآیہ کہ حقیقی اور واقعی اضطرار ہو

ان جملوں سے بجا طور پر یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ شاید موصوف مشہور بدعتی اور گمراہ فرق "معتزلہ اور خوارج" کی طرح گنہگار اہل ایمان کے لیے "خلود فی النار" کے امکان کے قائل ہیں، چنانچہ بعض حضرات نے انہیں اس طرف توجہ دلائی۔ جس پر موصوف نے ایک وضاحتی نوٹ لکھا — یاد رہے کہ یہ نوٹ ماہنامہ "حکمت قرآن" کی اشاعت مجریہ مئی ۱۹۸۵ میں چھپا۔ "سالانہ محاضرات قرآنی" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب نے بقلم خود امسال کے محاضرات کی مختصر اور جامع رپورٹ تھی، جو محترم قارئین کی نظروں سے

گذر چکی ہوگی، اسی رپورٹ میں ص ۱۲ کی آخری سطر سے ص ۱۳ کی سطر ۱۳ تک یہ نوٹ ہے، اور ہم چاہتے
کہ یہ نوٹ پورے کا پورا یہاں دوبارہ آپ کی نظروں سے گذر جائے تاکہ آپ کو بات سمجھنے میں
آسانی ہو۔

"دوسری اہم غلطی یہ ہوئی کہ راقم نے ایک مسلمان کے تین اساسی دینی فرائض میں سے اوّلین یعنی
"یہ کہ وہ خود صحیح معنی میں اللہ کا بندہ بنے!" کی وضاحت کے ضمن میں سورۂ بقرہ کی آیت ۸۱
کا جو حوالہ دیا اس سے بجا طور پر یہ مغالطہ ہوا کہ شاید میں بھی معتزلہ کی طرح عصاۃ اہل ایمان کے لئے
"خلود فی النار" کے امکان کا قائل ہوں۔ میں اس سے بھی اظہارِ برأت کرتا ہوں۔ میرے
نزدیک صحیح بات وہی ہے جو احادیثِ صحیحہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے یعنی جس شخص
کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا اگر اس کے گناہوں کا وزن نیکیوں سے بڑھ کر
تو وہ اپنے گناہوں کے بقدر سزا بھگت کر بالآخر دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں
کر دیا جائے گا۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس مقام پر اس آیۂ مبارکہ کا حوالہ بے محل اور غلط ہے ——— ر
سوال کہ اس آیت کا صحیح مدلول میرے نزدیک کیا ہے تو میرے نزدیک یہ آیت اپنے نفسِ مضم
کے اعتبار سے ان احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت رکھتی ہے جن
تنبیہ اور ترہیب کی غرض سے بعض اعمال پر نفیِ ایمان کی وعید سنائی گئی ہے۔ ان آیات میں
اور احادیثِ شریفہ کے ضمن میں نہ یہ روش درست ہے کہ ان کے ظاہری الفاظ سے بالکل قانونی
منطقی معانی نکالے جائیں جس سے شدید مایوسی پیدا ہو جائے، نہ یہ صحیح ہے کہ ان کی ایسی توجیہیں
جائیں کہ ان کی تاثیر ہی ختم ہو کر رہ جائے اور بے خوفی اور لاپرواہی جنم لے لے! ——— بلکہ دو
آیات و احادیث کی روشنی میں ان کی ایسی تعبیر کی جانی چاہیئے جس سے سامع اور قاری میں
الخوف والرجاء" کی کیفیت قائم رہے۔ واللہ اعلم ——— بہرحال اس مسئلے کا
تعلق ایمان اور عمل کے باہمی لزوم یا عدم لزوم اور ایمان میں کمی بیشی کے امکان یا عدم امکان
ضمن میں اس اختلاف سے ہے جو ہمارے یہاں اسلاف سے چلا آرہا ہے اور جس کے ضمن
تاحال راقم کی رائے یہ ہے کہ اس دنیا کی حد تک اور قانونی و فقہی سطح پر صحیح بات یہی ہے کہ ایمان
ہے اور عمل جدا، اور نفسِ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی لیکن حقیقت کے اعتبار سے صحیح بات
ہے کہ نہ صرف یہ کہ ایمانِ حقیقی یعنی یقینِ قلبی گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی بلکہ ایمان اور عمل صالح

ملزوم ہیں اور یہ لزوم دو طرفہ ہے یعنی ایمان بڑھے گا تو عمل صالح میں بھی لازماً اضافہ ہوگا اور معاصی میں لامحالہ کمی آئے گی اور ایمان گھٹے گا تو عمل صالح میں کمی واقع ہوگی اور معاصی میں اضافہ ہوگا اور اسی طرح عمل صالح بڑھے گا تو اس سے ایمان میں بھی اضافہ ہوگا اور عمل صالح میں کمی آئے گی اور معاصی بڑھیں گے تو اس سے ایمان بھی متاثر ہوگا اور اس میں لازماً کمی آئے گی ——— اور ——— اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے ——— بہرحال اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ امکان کے درجے میں یہ احتمال موجود ہے کہ اعمال صالحہ کے مسلسل فقدان اور معاصی پر دوام و اصرار بالخصوص اکل حرام پر جان بوجھ کر استمرار و مداومت کے نتیجے میں ایمان کی پونجی بالکل ختم ہو جائے اور احادیث نبویہ میں وارد شدہ الفاظ "لیس وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل" ——— یا "ایۃ المنافق ثلاث وان صام وصلی وزعم انہ مسلم ....." کا مصداق وجود میں آجائے !! ——— اور ظاہر ہے کہ اگر اسی حالت میں موت واقع ہو جائے تو ایسے شخص کا معاملہ اس کا سا نہیں ہوگا جو ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا ہو خواہ گناہوں کا بہت سا انبار اپنے ساتھ لے گیا ہو۔ ھٰذا ما عندی حتی الوقت والعلم عند اللہ وارجو ان ینبھنی اللہ والذین اوتوا العلم ان کنت خاطئا ——— !! ——— بہرحال جو شخص ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا ہو خواہ اس کی مقدار کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو اس کا معاملہ اس سے بالکل جدا ہے اور اس کے ضمن میں میرا موقف وہی ہے جو جملہ اہل سنت کا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پوری امید ہے کہ اسی پر میری موت واقع ہوگی!"

ڈاکٹر صاحب نے یہاں قریب قریب بات واضح کر دی اور اس ضمن میں اسلاف سے جو کچھ منقول ہے اسکا خلاصہ اور ان کی اختلافی آراء مختصراً ذکر کر دی ہیں۔ ہم اس موضوع پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے اور قرآن عزیز کے حقیقی منشاء کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق سے نوازے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد رشید مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے بخاری شریف جیسی اہم کتاب کی تدریس کے وقت جو کچھ فرمایا وہ افادات مولانا عبدالرحمٰن قاضی کے پاس محفوظ تھے، انہوں نے بڑے سلیقہ اور حسن ترتیب سے انہیں مرتب کیا "فضل الباری" کے نام سے اس کتاب کی دو ضخیم جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

طلبہ اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ بخاری شریف عام حضرات کے نزدیک "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کہلاتی ہے گو کہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ یہ حیثیت "موطا امام مالک" کو دیتے ہیں۔ ہمارے مدارس میں دورۂ حدیث کے عنوان سے جو تعلیم ہوتی ہے، اس میں جو درس کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، انمیں کلامی مسائل ذکر کرنے کے بعد "کتاب الایمان" کا بیان ہے اور اس موقعہ پر ایمان سے متعلقہ مسائل کا بڑی تفصیل سے بیان ہے۔ اس بات کی ابتدا ہوتی ہے۔

قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمسٍ وھو قولٌ وفعلٌ ویزید وینقص الخ

یعنی یہ بات نبی کریم علیہ السلام کے اس ارشاد کی تفصیل میں ہے جس میں آپ نے فرمایا "اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی" اور یاد رہے کہ ایمان نام ہے قول اور فعل کا اور یہ کہ یہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ الخ

یہاں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ان مسائل پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے۔ جس میں سے چند باتیں جو اس گفتگو سے متعلق ہیں، یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ دنیا بنیادی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے اہل اسلام، اہل کفر۔ پھر اہلِ اسلام کے مختلف فرقے ہیں۔ بقول مولانا

دنیا میں جتنے فرقے ہیں ان میں سے فرقِ اسلامیہ ان کو کہا جاتا ہے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں اور اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کریں۔ واقع میں خواہ وہ اسلام کے صحیح راستے پر ہوں یا گمراہ ہوں مثلاً روافض، خوارج، معتزلہ، مرجیہ، کرامیہ، جہمیہ وغیرہ

(فضل الباری ص ۲۳۵/۱ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۳ء)

اہلِ سنت والجماعت ان کو کہا جاتا ہے جو سنتِ نبوی اور جماعت صحابہ کے پیرو ہوں، گویا یہ ترجمہ ہے ہو بہو حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کا جو آپ نے فرقہ ناجیہ کے متعلق فرمایا "ما انا علیہ واصحابی"

اہلِ سنت میں چار گروہ ہیں، بلاشبہ وہ چاروں صحیح اسلام پر ہیں اور ناجی، سب کا مقصود و مدعا ایک ہے، بس طریقِ استدلال میں کسی پر کوئی طریقہ غالب ہے تو کسی پر کوئی۔

ان میں سے محدثین وہ طبقہ ہے جو امام اہلسنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد و متبع ہے عقائد میں، اور عقائد میں جو کچھ منقول ہے۔ حضرت الامام سے، اسکی نشر و تشریح کرتے ہیں۔

پھر متکلمین ہیں اور یہ دو جماعتوں میں تقسیم ہیں اشاعرہ، ماتریدیہ۔ اول الذکر بالعموم عقائد میں امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے اقوال کی نشر و تشریح کرتے ہیں تو ثانی الذکر امام ابوحنیفہ قدس سرہ

کے اس ضمن کے اقوال کو پھیلانے اور ان کی ترجمانی کرتے ہیں، چوتھا گروہ صوفیا کا ہے۔ بقول مولانا عثمانی

> محدثین پر محض نقل و سمع غالب ہے وہ مسائل کو اولاً سمعیات سے ثابت کرتے ہیں متکلمین خواہ اشاعرہ ہوں یا ماتریدیہ سمعیات و عقلیات دونوں پر مسائل کا مدار رکھتے ہیں اور دونوں سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ عقل سے کوئی نئی بات ثابت کرتے ہیں بلکہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ عقیدوں کو عقلی دلائل سے ثابت کرنا اور شبہات عقلیہ کا جواب دینا ان کا اہم مقصود ہے اور عقل و نقل میں توافق کر کے دونوں سے مسئلہ ثابت کرتے ہیں۔ فضل الباری ج ۱ ص ۲۳۶

اس سے متصل ہی مولانا لکھتے ہیں،

> ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ (اعمال اسکا جزو ہیں یا نہیں؟ یہ گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں وغیرہ) اس میں فرق اسلامیہ بلکہ اہلسنت بھی آپس میں اختلاف کرتے ہیں اس لیے کچھ تفصیل کی ضرورت ہے۔ الخ

معلوم ہوا کہ بنیادی حقائق کی حد تک تو معاملات و مسائل بالکل واضح ہیں لیکن تفصیل و تشریح اور حقیقت و ماہیت کے اعتبار سے ایمان جیسی بنیادی حقیقت میں بھی اختلاف ہے نہ صرف فرق اسلامیہ میں، بلکہ خود اہلسنت والجماعت میں بھی، غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ جو محدثین اور اہل عقل و قیاس سبھی میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں، کسی کو کافر کہنے میں حد درجہ محتاط ہیں اور ان سے منسوب یہ بات بڑی مشہور ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ "کسی کی بات میں ۹۹ وجوہات کفر ہوں اور محض ایک ہی وجہ اسلام کی ہو تو بھی اسے کافر کہنے سے گریز کرد" وجہ یہ ہے کہ کفر و اسلام کا معاملہ بڑا نازک اور دقیق ہے اور اسمیں جلد بازی حد درجہ فساد ہی نہیں خود اپنے ایمان کی بربادی کا باعث بن جاتی ہے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ) جیسا کہ احادیث نبوی اس پر دلالت کرتی ہیں۔

ایمان کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے "صاحب لغات القرآن" نے خاتم المفسرین علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے لکھا کہ

> لغت میں ایمان کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں یعنی خبر دینے والے کے حکم کا یقین کرنا اس طرح کہ حکم قبول کیا جائے اور بتلانے والے کو سچا قرار دیا جائے۔ یہ مصدر ہے بر وزن "اِفعال" "اَمن" سے ماخوذ ہے، گویا ایمان لانے کا مطلب ہے کہ جس پر ایمان لایا جائے اسکو تکذیب و مخالفت سے امن دیدیا جائے۔ اسکا تعدیہ کبھی بذریعہ لام ہوتا ہے اور

کبھی بذریعہ با۔ اول صورت میں اذعان (یقین محکم) کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں اور دوسری صورت میں اعتراف (تسلیم وانقیاد) کے، جس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ بغیر اعتراف کے تصدیق کا اعتبار نہیں، کبھی باعتبار حقیقت عرفیہ یا بطور مجاز وثوق کے معنی میں بھی ایمان کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس حیثیت سے کہ وثوق کرنے والا امن میں ہوگیا اور شرعا ایمان کے معنی ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ان تمام تعلیمات کی تصدیق کرنا جن کے متعلق بالضرورت معلوم ہے کہ یہ آپ کی تعلیم ہے۔ جس چیز کا تفصیلی علم ہے اس کی تفصیلی طور پر اور جس کا اجمالی علم ہے اسکی اجمالی طور پر تصدیق کرنا جمہور محققین کا یہی مذہب ہے۔ (لغات القرآن ج۱ ص۲۱۸ مطبوعہ لاہور)

مولانا شبیر احمد عثمانی نے جمہور محققین کے حوالہ سے یہی بات لکھی ہے۔

هو التصديق بما عُلِمَ مجيئُ الرسولِ بهٖ ضرورة اجمالا فيما عُلِمَ اجمالاً و تفصيلا فيما عُلِمَ تفصيلاً (فضل الباری ج۱ ص۲۴۰)

مولانا نے واضح کیا کہ

اسمیں اختلاف ہے کہ یہ انقیاد قلبی واستسلام باطنی یا التزام طاعت ایمان کے لیے شرط ہے یا شطر (جزو) بعض کہتے ہیں کہ تصدیق ایک جزو ہے، اسی طرح یہ انقیاد والتزام بھی ایک مستقل جزو ہے اور بعض کہتے ہیں کہ شرط ہے، بہرحال جو بھی کہا جائے اتنی بات ضرور خیال میں رکھنی چاہیئے کہ نفس انقیاد والتزام پر تو تحقق ایمان کے لیے ضروری ہے اور ہمیشہ اسی انقیاد والتزام کے مطابق عمل کرتے رہنا یہ دوسری چیز ہے، نفس ایمان کے تحقق کے لیے اس کی ولیسی ضرورت نہیں ہے کہ مقتضی کے خلاف اگر کوئی عمل سرزد ہو یا کسی معصیت کا ارتکاب کر لیا تو ایمان کا سلب ہوجانا لازم آجائے۔ ہاں سزا کا مستحق ضرور ہوگا۔ ان دونوں میں فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ باغی اور مجرم میں فرق ہے۔ (فضل الباری ج۱ ص۲۴۴)

حضرت مولانا المرحوم نے اس عبارت میں اہل سنت والجماعت کا موقف بڑی خوبصورتی سے نقل فرما دیا ہے جس کے بعد کوئی اشتباہ نہیں رہتا تاہم یہ سمجھ لیں کہ اسلام کی طرف منسوب جہمیہ فرقہ تو محض "معرفت قلبی" کو ایمان کہتا تھا خواہ وہ معرفت اختیاری ہو یا اضطراری، جسکا معنی یہ ہوگا کہ فرعون بھی مومن ہے کہ اس نے حالت اضطرار میں " آمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ " کہہ لیا جیسا کہ سورۂ یونس آیت ۹۰ میں ہے جسکا ترجمہ ہے

فرعون بولا، میں نے یقین کرلیا کہ کوئی اور معبود نہیں مگر وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں ہوں فرمانبرداروں میں ۔

لیکن یہ عقیدہ اور مذہب بالکل باطل ہے اور اس پر قرآن وسُنت سے لاتعداد دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے برعکس کرامیہ کا کہنا تھا کہ ایمان محض "اقرار باللسان" کا نام ہے، جسکا معنی یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام کے دور کے اعتقادی منافق جو "نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ" (المنافقون آیت ۱) کہتے تھے وہ مسلمان تھے حالانکہ اللہ رب العزت نے ان کے متعلق جو کچھ فرمایا وہ قرآن عزیز میں جگہ جگہ موجود ہے اسی المنافقون میں ہے وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ (آیت ۱)

مرجیۂ کہتے تو ان کا کہنا تھا کہ تصدیق اختیاری اور اقرار باللسان کافی ہے ساری عمر کے معاصی وسیئات ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچاتے اور یہ کہ مومن ساری عمر معاصی میں غرق رہے اس پر دوزخ بالکلیہ حرام ہے لیکن ظاہر ہے کہ قرآن عزیز کی تعلیم اسکا بھی ساتھ نہیں دیتی اب آئیے معتزلہ اور خوارج تو انہوں نے اعمال کو جزو ایمان کہہ دیا جسکا معنی ان کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کبھی اتفاقاً بھی کسی سے کوئی فرض رہ جائے یا کوئی کسی حرام کا ارتکاب کرے تو وہ مومن نہیں رہتا۔ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے ۔ اور ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ "مخلد فی النار" ہے۔ ان تمام کے برعکس صراط مستقیم پر ٹھیک ٹھیک چلنے والے اہلِ سنّت والجماعت ہیں ۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو بات ذکر کی وہ بالکل صحیح ہے کہ

> جب تک تصدیق واقرار موجود ہے، بشرطیکہ کوئی ایسا عمل نہ ہو جو تصدیق کے فوت پر دلالت کرے جیسے بت کو سجدہ کرنا، قرآن مجید کو گندگی میں پھینکنا، نبی علیہ السلام کو گالیاں بکنا، وغیرہ ان جیسے اعمال سے اہلسنت کے نزدیک بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمل سے کافر ہو جاتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ وجداناً وعرفاً اس قسم کے اعمال تصدیق نہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو ان اعمال کے ارتکاب کی صورت میں تصدیق کے فقدان کے سبب کافر ہوگا...... گویا جس طرح مداھنہ ہر عصیان عظمت کے ختم ہونے پر دلالت نہیں کرتا، اسی طرح ہر معصیت وگناہ کبیرہ بھی تصدیق کے فوت پر دلالت نہیں کرتا....... اہل سنت یہ بھی نہیں کہتے کہ کوئی معصیت بالکل ہی مضر نہیں، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر معصیت معاف نہ ہوئی تو سزائے جہنم کا مستحق ہے مگر ابدی سزا نہیں ہوگی۔ جرم کے مطابق ایک مدت تک سزا بھگت کر آخر جنت میں ضرور جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ معصیت کی وجہ سے دخول جہنم تو ہوگا مگر خلود (دوام) نہیں ہوگا۔ معلوم ہوا کہ مسلک اہل سنت

نہ معتزلہ و خوارج سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ ہی مرجئہ سے اسکا کوئی تعلق ہے" ھذا ہو الصراط المستقیم" اللھم اھدنا الصراط المستقیم (فضل الباری ج۱ ص۲۴۲)

پھر ایک بحث ایمان کے زیادہ اور کم ہونے کی ہے ظاہر قرآن و حدیث، جمہور اشاعرہ اور ائمہ ثلاثہ وغیرہ سے ایسا ہی منقول ہے کہ اَلْاِیْمَانُ یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ ۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک جو امام ابوالحسن اشعری قدس سرہ نے "مقالات اسلامیہ" میں نقل کیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ

ایمان ذی اجزا نہیں، نہ یہ بڑھتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے اور ایمان تمام لوگوں کا برابر ہے

اور حضرت الامام کی ایک دوسری روایت وہ ہے جو غسان رح کے حوالہ سے نقل ہوئی جسے شرح احیاء وغیرہ میں بھی نقل کیا گیا اس کے مطابق ایمان بڑھتا تو ہے گھٹتا نہیں ۔

اسی قسم کی روایت مالکیہ نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کی اور حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ ایسی شخصیت ہیں جو محدثین، فقہاء، مجاہدین، زہاد اور عارفین سب کے نزدیک مسلم ہیں وہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اہم شاگرد ہیں ان سے بھی یہی منقول ہے کہ "ایمان بڑھتا تو ہے، گھٹتا نہیں" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رح کا صحیح مسلک یہی ہے اور جب ہم قرآن پر غور کرتے ہیں تو اس میں ایسی آیات تو ہیں جنہیں زیادت کا ثبوت ہے لیکن نقصان کا ایک آیت میں ذکر نہیں۔ مثلا

لِيَزْدَادُوْا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ (الفتح: ۴) زِدْنَاهُمْ هُدًى (الکہف: ۱۳) وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى (مریم ۔ ۷۶) وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (العصر: ۱۷) وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا (المدثر: ۳۱) وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا (الاحزاب: ۲۲)

یہی حال احادیث مبارکہ کا ہے ان میں بھی زیادت کا ثبوت ہے نقصان کا نہیں، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے وسیع النظر شخص کا یہی اقرار ہے۔ ہاں پورے ذخیرہ احادیث میں ایک حدیث ایسی ہے جس میں انسانیت نہیں محض اس کی ایک صنف "عورت" کے ناقصات عقل و دین ہونے کا ذکر ہے اور بس۔ لیکن اس حدیث میں لفظ "دین" ہے کہ "عورتیں ناقصات عقل و دین ہیں"۔ اسمیں "ایمان" کا لفظ نہیں جس میں گفتگو ہو رہی ہے۔ اس گفتگو کے بعد "عقیدۃ الطحاویہ" کی اس عبارت کا مفہوم سامنے رکھ لیں جو مشہور حنفی محدث امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قریب العہد ہیں حضرت الامام کے شاگرد رشید امام محمد قدس سرہ کے بیک واسطہ شاگرد ہیں اور ان کے یہاں صحت کا بڑا اہتمام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت الامام نے فرمایا۔

ایمان اقرار باللسان اور تصدیق بالجنان اور ان تمام احکام کو جو نبی علیہ السلام سے صحیح طور پر ثابت ہیں، شریعت اور بیان وغیرہ سے انہیں حق ماننے کو کہتے ہیں۔ اور ایمان واحد ہے اور ایمان دار (ایمان میں) برابر ہیں ہاں ایمان والوں میں فرق باعتبار خشیۃ وتقویٰ اور خواہشات کی مخالفت اہم باتوں کو التزاماً اختیار کرنے سے ہے۔

اس گفتگو کے بعد متعلقہ آیت سے متعلق قدیم وجدید مفسرین اور اہل علم میں سے چند ایک کی آراء نقل کی جارہی ہیں اور مقصد یہ ہے کہ ہمارے قارئین کھلے دل ودماغ سے سوچنے سمجھنے کی اپنے اندر صلاحیت پیدا کریں اور فہم قرآنی کے دروازے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان پر کھول دے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کا نام سب سے پہلے ذکر کرتے ہیں۔ ان کا ترجمہ بہت شہرت یافتہ ہے ابتدائی چند سورتوں کے حواشی بھی انہی کے قلم سے ہیں۔ بعد میں جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو باقی حواشی مولانا شبیر احمد عثمانی نے پورے کئے شیخ الہند کے حواشی میں ایجاز واختصار اور جامعیت کا رنگ ہے وہ اپنے حواشی میں ارشاد فرماتے ہیں۔

گناہ کسی کا احاطہ کرلیں، اس کا یہ مطلب ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کرلیں کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو حتیٰ کہ دل میں ایمان وتصدیق باقی ہوگی تو بھی احاطہ مذکور متحقق نہ ہوگا تو اب کافر ہی پر یہ صورت صادق آسکتی ہے (ص ۱۹ مطبوعہ لاہور ۱۳۴۹ھ)

ان مختصر حواشی میں جتنی خوبصورتی سے مسلک اہلسنت والجماعت کی ترجمانی کی گئی ان کا اندازہ وہی حضرات کرسکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فہم قرآنی سے وافر حصہ بخشا۔ موصوف کے حلقہ کے ایک بہت اہم عالم مولانا احمد سعید دہلوی (المشہور بہ سحبان الہند) فرماتے ہیں۔

اور یہ گھیرا ایسا پڑا کہ دل میں ایمان اور تصدیق بھی باقی نہ رہی۔ تو ظاہر ہے کہ اس قسم کا احاطہ کفار ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہٰذا اس آیت سے ان لوگوں کے لیے کوئی حجت نہیں جو کبیرہ کے مرتکب پر بھی ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کا حکم لگاتے ہیں کیونکہ آیت میں صرف گناہ کمانا نہیں ہے بلکہ گناہ کمانے کے ساتھ اس کے گناہ تمام اطراف وجوانب سے اس کا احاطہ بھی کرلیں اور احاطہ کی جو تقریر ہم نے کی اس کے بعد صرف کافر ہی رہ جاتے ہیں جو ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور اگر "سیئۃ" سے شرک یا کفر مراد لیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، عکرمہ اور حسن اور حضرت ابو ہریرہ اور عطاء وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے تو پھر مطلب صاف ہے کہ جس شخص نے شرک یا کفر کا

ارتکاب کیا اور شرک و کفر نے اس کو اور اس کے دل کو ہر طرف سے گھیر لیا تو بس ایسے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

(تفسیر کشف الرحمٰن ص ۱۹ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۲ء)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عالمانہ تفسیر "معارف القرآن ج ۱ ص ۱۶۶" میں بھی یہی لکھا کہ "احاطت" کی جو تفسیر صحیح ہے وہ کافر ہی پر صادق آتی ہے کہ کافر دولت ایمان سے تہیدست ہونیکی وجہ سے فقیر اور گدائے بے نوا ہے" اور انہوں نے ہی حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا

گناہ گھیر لینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرتا ہے اور شرمندہ نہیں ہوتا، اور ظاہر ہے کہ یہ حال کافر کا ہی ہو سکتا ہے۔ مومن کا نہیں ہو سکتی (معارف القرآن ج ۱ ص ۱۶۷ مطبوعہ لاہور)

دور حاضر کے ایک مفسر و مترجم قرآن مولانا امین احسن اصلاحی ہیں، بعض معاملات میں ان کے تفردات کا معاملہ الگ ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی ان کی تفسیر "تدبر قرآن" نہایت درجہ قابل قدر و لائق اعتنا ہے وہ سلسلہ وار لکھتے کرتے ہیں، سورۂ البقرہ کی آیت ۶۱ اور اس آیت کا انہوں نے سلسلہ باہم جوڑتے ہوئے نہایت درجہ پتہ کی بات کہی، وہ لکھتے ہیں۔

یہ یہود کے اس واہمہ کی تردید ہے جسکا ذکر اوپر گذرا یعنی جنت اور دوزخ کا تعلق خاندانی اور گروہی نسبتوں سے نہیں بلکہ تمام تر عمل سے ہے، جو شخص کسی برائی کا ارتکاب کرے اور وہ برائی اس کو اپنے گھیرے میں لے لے تو اس کے لیے خلود فی النار ہے خواہ اسکا تعلق کسی گروہ سے ہو، برعکس اس کے جو شخص ایمان اور عمل صالح کی روش پر قائم رہے، اسکے لیے خلود فی الجنۃ ہے خواہ اس کا تعلق کسی خاندان سے ہو جس طرح اس سورہ کے پہلے سلسلہ بیان کے خاتمہ پر ان الذین آمنوا والذین ھادوا (آیت ۶۲) والی آیت وارد ہوئی تھی اس طرح اس دوسرے سلسلہ بیان کے خاتمہ پر بلی من کسب سیئۃ والی آیت وارد ہوئی ہے۔ ان دونوں آیتوں کا موقع اور مقصد بالکل ایک سا ہے اس وجہ سے ان دونوں کو ایک دوسرے کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے

(تدبر قرآن ج ۱ ص ۲۱۲ مطبوعہ انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۶۹ء)

گویا یہود جن کے غلط دعاوی کی تردید میں سورۂ البقرہ میں خاصی تفصیلی گفتگو ہے۔ یہ آیت بھی اسی ضمن میں ہے اور اس سے متصل پہلے جو آیت ہے اس کو ملا کر پڑھا جائے تو مولانا کی بات کا وزن بہر طور محسوس

ہوتا ہے، متصل پہلے والی آیت میں یہود کے اس دعوی کا ذکر ہے کہ جہنم سے ہمارا کیا واسطہ؟ اگر ایسا ہوا بھی تو وہ "ایاما معدودۃ" تک محدود ہوگا اس کی اللہ رب العزت نے جہاں سختی سے تردید کی اور ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی دستاویز ہے جو اللہ نے لکھ کر دی کہ اب اللہ تعالیٰ اس کے خلاف نہیں کریں گے یا محض اُٹکل پچو باتیں کرتے ہو؟

یہ فرما کر واضح کیا کہ یاد رکھو جزا و سزا کا قانون یہ ہے کہ کوئی بھی ہو جو گناہ کا خوگر ہو کر اس میں غرق ہو جاتا ہے وہ جہنمی ہے اور جو ایمان و اعمال صالحہ سے حصہ لیکر آتا ہے اسے جنت و رضوان سے سرفراز فرمایا جائیگا۔

اردو کی ایک مشہور تفسیر مواہب الرحمٰن ہے جس میں قدیم سرمایہ تفسیر کو بڑی خوبی سے جمع کیا گیا۔ صاحب تفسیر نے فیصلہ کن گفتگو کرتے ہوئے اکابر صحابہ و تابعین مثلاً حضرت ابن عباس، حسن بصری، عکرمہ، قتادہ، مجاہد، ربیع بن انس، ابوالعالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی نقل کیا کہ اس سے مراد کفر و شرک ہے (دیکھیں مواہب الرحمٰن ج ۱ ص ۲۱۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۳۹۷ھ) اور ایسی ہی گفتگو حقانی سے مترشح ہوتی ہے (ص ۲۲۰ مطبوعہ کراچی)

اردو تفاسیر میں "ترجمان القرآن بلطائف البیان" نامی ایک بڑے سائز کی نامکمل تفسیر نظر سے گذری مطبع انصاری دہلی میں ۱۳۰۶ھ میں چھپی اس میں بعض مقامات پر بڑی گہری گفتگو کی گئی ہے فاضل مفسر نے لکھا۔

> اس کہنے سے کہ گھیر لیا گناہ نے، یہ معلوم ہوا کہ ہر گناہ ہو جانا موجب خلود نار کا نہیں ہوتا ہے بلکہ جب گناہ ہر طرف سے آکر گھیر لیتا ہے کوئی نیکی بھی باقی نہیں رہتی ہر جانب سے رستے نجات کے بند ہو جاتے ہیں تب کہیں خلود نار ہوتا ہے۔ یہ قول کہ مراد خطا سے اس جگہ شرک ہے اولی ہے اسلیے کہ حدیث سے بتواتر ثابت ہو چکا ہے کہ عصاۃ موحدین نار سے باہر نکالے جاویں گے، علاوہ اس کے گو اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوصی سبب کا، مگر نزول اس آیت کا حق میں یہود کے ہوا ہے اس سے بھی تائید شرک کی نکلتی ہے، اسی پر مفسرین کا اجماع ہے، اس سے قول معتزلہ کا باطل ہوا کہ خلود نار خاصہ مشرکین و کفار کا ہے۔ اس سے یہ بات متعین ہو گئی کہ مراد سیئہ و خطیئہ سے اس جگہ وہی کفر و شرک ہے نہ فعل کبائر (ص ۷۲)

ہماری درسی تفاسیر میں بیضاوی قدیم مدارس کے ساتھ جدید مدارس میں بھی پڑھائی جاتی ہے اسمیں احاطت کی اس تفصیل کو جسکا ذکر ہوا نقل کر کے لکھا

کہ اگر ایسا کرو گے تو تم جہنم میں جاؤ گے وہ خطیئہ ہے (ص ۲۹۶ ج ۱ بیروت)
معلوم ہوا کہ اگر اس سے ترہیب و تخویف کا پہلو مراد لیا جائے تو بھی درست ہے، یہی مقصد ہے صاحب کشاف کا۔

قرطبیؒ الجامع لاحکام القرآن میں کہتے ہیں۔

سیئہ سے مراد شرک ہے، ابن جریج نے عطاء سے ایسے ہی نقل کیا اور استدلال میں آیت پڑھی۔

وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ (النمل : ۹۰) جو شرک لیکر آئے گا اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا اور حسن و قتادہ کا بھی یہی موقف ہے۔

(ص ۱۲ ج ۲ احیاء التراث العربی۔ بیروت ۱۹۵۲ء)

محدثانہ انداز سے لکھی گئی مشہور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اے یہود) ایسا نہیں جیسی تمہاری خواہش ہے اور تم چاہتے ہو بلکہ معاملہ ایسا ہے الخ (گویا یہود کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا)

قال ابن عباسؓ السیئۃ، الشرک۔ ابن ابی حاتم، وائل، ابی العالیۃ، مجاہد عکرمہ، حسن، قتادہ، ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کا یہی موقف ہے سُدی رحمہ اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہ مراد لیتے ہیں (اس شکل میں تخویف مراد ہوگی)

حضرت ابوہریرۃ، ابووائل، عطا اور حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم احاطت بہ خطیئتہ سے مراد لیتے ہیں احاط بہ شِرکُہٗ (اس کے شرک نے اسے گھیر لیا) بعض حضرات کا موقف ہے کہ کبائر کا ارتکاب کیا اور توبہ کے بغیر مر گیا (گویا تخویفی معنی مراد ہے) جبکہ بعض حضرات ایسے کبائر مراد لیتے ہیں جو جہنم کا باعث ہیں۔ بقول ابن کثیرؒ سب اقوال "متقارب المعنی" ہیں مقصود سب سے ایک ہے (واللہ علم) (ص ۱۱۹ ج ۱ عربی ایڈیشن مطبوعہ لاہور ۱۳۹۲ھ)

ایک نہایت درجہ اچھی فارسی تفسیر "کشف الاسرار" میں ہے

مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً	ہر کہ بدی کند یعنی شرک آرد
واحاطت بہ خطیئتہ	اے احاط عملہ بہ ثمات علی کفرہ۔ دو ران شرک و کفر خویش بمیرد

فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون

ایشاں در دوزخ شوند جاوید دراں بمانند. ایں ہمانست کہ جائے دیگر گفت "وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ" کشف الاسرار وعدۃ الابرار معروف بہ تفسیر خواجہ عبداللہ انصاری جلد اول ص ۲۴۰

تالیف ابوالفضل رشید الدین المیبدی موسسہ انتشارات کبیر تہران ۱۳۹۱ھ

روح المعانی میں قابل قدر بحث ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یا شرک وکفر ہے یا زجر وتوبیخ۔ جس پر سابقہ آیت دلالت کرتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ الخلود سے جو حضرات طویل زمانہ مراد لیتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ اس کے بالمقابل اہل الجنۃ کے لیے خلود کا لفظ ہے تو اس سے مراد کیا ہوگا؟ کیا اہل جنت ایک لمبا عرصہ وہاں رہ کر پھر کہیں اور جائیں گے؟ اصل ملاحظہ فرمالیں۔

بلی من کسب سیئۃ الایہ

الکسب جَلْبُ النفع۔ السیئۃ الفاحشۃ الموجبۃُ للنّار قالہ السدی وعلیہ تفسیر من فسرھا بالکبیرۃ لانھا التی توجب النار۔ ای یستحق فاعلھا النار ان لم یغفرلہ۔ وذھب کثیر من السلف الی انھا ھنا۔ الکفر۔ وتعلیق الکسب بالسیئۃ۔ علی طریقۃ التھکم (زجر وتوبیخ)

والمراد بالاحاطۃ الاستیلاء والشمول وعموم الظاھر والباطن والخطیئۃ، السیئۃ والمراد بالخلود، الدوام ولاحجۃ فی الاٰیۃ علی خلود صاحب الکبیرۃ لان الاحاطۃ انما تصح فی شان الکافر لان غیرہ ان لم یکن لہ سوی تصدیق قلبہ واقرار لسانہ فلم تحط خطیئۃ بہ لکون قلبہ ولسانہ منزھا عن الخطیئۃ اما اذا فُسّرت السیئۃ بالکفر والخطیئۃ بہ حیثما اخرجہ ابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما وابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن جریر عن ابی وائل ومجاھد وقتادۃ وعطا والربیع

ومن الناس من نفاھا بحمل۔ الخلود۔ علی اصل الوضع وھو اللبث الطویل ولیس بشئ لان فیہ تھوین الخطب فی مقام التھویل مع عدم ملائمتہ حمل الخلود فی الجنۃ علی الدوام

اتخذتم عند اللہ عھدا سے ثابت ہوتا ہے کہ انہ تعالیٰ اوعد العصاۃ بالعذاب زجرا لھم عن المعاصی روح المعانی ص ۳۰۵-۳۰۶ ج ۱ مطبوعہ لاہور

بقیہ ص ۱۰ پر

ایمان اور اسکے ثمرات و مضمرات

سورۃ تغابن کی روشنی میں (آخری قسط)

ڈاکٹر اسرار احمد

اب ایک اور پہلو پر آیئے۔ یہ نفسِ انسانی جس کے متعلق میں نے عرض کیا ہے اسے ذہن میں لایئے! یہ اس دنیا میں تنہا نہیں رہتا اور نہ رہ سکتا ہے۔ مدنیت اس کی جبلت اور فطرت میں رچی بسی ہے۔ وہ مل جل کر رہنے کا خوگر ہوتا ہے۔ اس کا خاندان ہوتا ہے۔ اعزاء و اقارب ہوتے ہیں۔ کچھ ایسے اسباب اور وسائل اس کی تحویل میں دیئے جاتے ہیں، جن سے وہ اپنی معاش حاصل کرتا ہے، کچھ خونی رشتے ہوتے ہیں، کچھ رشتے جذباتی ہوتے ہیں۔ تو ایک وہ شخص جو نہ آخرت کو جانے، نہ رسالت کو جانے، نہ توحید سے واقف ہو۔ اس کا رویہ اور طرزِ عمل ان رشتوں کے بارے میں کیا ہوگا؟ اور ایک وہ شخص جو توحید کا بھی قائل ہو، آخرت کا اور رسالت کا بھی مقر ہو۔ اقرار کر رہا ہے۔ ان تمام امور ثلاثہ پر یقین رکھتا ہے اس کا رویہ (Attitude) ان رشتوں کے بارے میں کیا ہوگا۔ ان علائق دنیوی میں جو سب سے زیادہ قریب ترین ہیں۔ یوں کہنے کو تو اور ناطے بھی قریب کے کہہ لیں، لیکن اصل حقیقت یہی ہے انسان سے سب سے زیادہ قریب اس کی بیوی ہے اور اس کو سب سے زیادہ محبوب اس کی اولاد ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کو بطور علامت یہاں لے لیا اور ایک اصول کے طور پر بیان فرمایا " يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ " اے ایمان والو! تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد (دین و ایمان کے معاملے میں) تمہاری دشمن ہیں، سو تم ان سے ہوشیار رہو۔" اس لئے کہ ان کی محبت ہے تمہارے دل میں اور محبت فطری ہے۔ چونکہ اس کے بغیر یہ نظام تمدن قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ محبت نہ ہو تو یہ بچے دھاگے سے بندھے ہوئے ہیں۔ اسی محبت کے بل پر یہ سارا کھیل چل رہا ہے۔ اگر تجزیہ کرو تو یہ ساری بھاگ دوڑ، یہ مشقتیں اور یہ جو بھاری بھاری بوجھ انسان اٹھاتا ہے تو اسی فطری محبت کے بل پر اٹھاتا ہے۔ ورنہ انسان سوچے کا ہے کو کھکیڑ مول لے۔ کیوں یہ گھر گھرستی کا

بوجھ سر پر لے۔ اطمینان سے کہیں رہے، ایک آزاد انسان کی حیثیت سے رہے لیکن یہ جبلت ہے۔ فطرت ہے۔ یہ محبت جو بڑی ہی ضروری ہے۔ یہ بندھن نہ ہو تو یہ پورا شیرازہ تہذیب و تمدن بالکل منتشر ہو کر رہ جائے۔ لیکن جہاں اس کی اہمیت و حقیقت ہے، وہیں اس میں ایک پُر قوت خطرہ (POTENTIAL DANGER) بھی مضمر ہے۔ یہ محبت ذرا بھی حد اعتدال سے تجاوز کر جائے، جادۂ اعتدال سے ذرا سی بھی ہٹ جائے تو یہی مہلک چیز ہے۔ تباہ و برباد کر دینے والی چیز ہے، عاقبت کی تباہی ہے۔ ان ہی کی محبت اور ان ہی کی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے تم خدا کے حرام کے اندر منہ مارو گے، ان ہی کو بہتر سے بہتر کھلانے اور پہنانے کے لئے تم حدود اللہ کو پامال کرو گے۔ ان ہی کے آسائش اور آرام کے لئے تم خدا کے مقرر کردہ فرائض سے روگردانی کرو گے۔ ان کی محبت کے غلو میں تم بھول جاؤ گے، خدا کو، رسول کو اور آخرت کو ــــ یہ محبت ایک حد کے اندر رہنی چاہیئے، اس سے زیادہ بڑھی تو یہ محبت، محبت نہیں ہے بلکہ عداوت بن جائے گی۔ یہ نقطۂ نظر واضح طور پر سامنے رہنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص واقعتاً ایمان رکھتا ہو۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ حذر کہتے ہیں بچاؤ کو۔ ڈھال کو بھی کہتے ہیں۔ صلوٰۃ خوف کے جو احکام آتے ہیں ان میں یہ لفظ آیا ہے۔ فَخُذُوْا حِذْرَكُمْ۔ لہٰذا بچ کر رہو، سنبھل کر رہو، ہوشیار رہو، چوکس اور چوکنا رہو۔ تم کہیں ذرا غافل ہوئے اور اس محبت نے ڈنگ مارا۔ یہ محبت تمہیں ہلاک کر دے گی۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا "بڑا ہی احمق ہے وہ شخص، جس نے دوسروں کی دنیا بنانے میں اپنی عاقبت تباہ کر لی" یہ بیوی اور اولاد دراصل "دوسرے" ہی ہیں۔ بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ میری ہستی کا تسلسل ہے۔ لیکن جب اولاد بڑی ہو جاتی ہے، خود مختار ہو جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ نہیں یہ تو بالکل علیحدہ لوگ ہیں۔ ان کی سوچ علیحدہ میری سوچ علیحدہ۔ ان کی فکر علیحدہ اور وہ منہ پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ آپ کی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ معلوم ہوا کہ وہ سارے محل کھنڈر بن کر رہ گئے کہ انسان سمجھ رہا تھا کہ یہ لوگ ہر بات میں میری پیروی کریں گے ــــ وہ Projection کرتا ہے اپنے آپ کو اپنی اولاد میں، لیکن بعد میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہیں یہ غیر ہیں۔ یہ دوسرے ہیں۔ ان کا ایک اپنا مستقل وجود ہے۔ خدا نے انہیں تم سے

وابستہ کر دیا۔ لیکن اپنی جگہ پر ہر ایک کی اپنی شخصیت ہے۔ ان کی دنیا بنانے کے لئے تم اپنی عاقبت تباہ کر لو گے۔ اس سے بڑی کوئی حسرت والی بات نہیں ہو گی۔ یہی چیز حسرت بنے گی قیامت میں جا کر۔ وہاں تو یہ حال ہو گا کہ "فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ۝" پھر جس وقت کانوں کو بہرہ کر دینے والا شور ہو گا۔ قیامت آجائے گی۔ حشر قائم ہو گا تو اس روز انسان اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ نہ خود کسی سے ہمدردی کرے گا نہ اس روز اس کو کسی کی ہمدردی حاصل ہو گی۔ اس روز ہر شخص ایسی نفسا نفسی میں ہو گا کہ اُس کو کسی دوسری طرف توجہ بھی نہیں ہو گی ـــــ ان کی خدمت کرو، ان کو کھلاؤ، پلاؤ، خدا کی طرف سے عائد کردہ ایک ذمہ داری جان کر ـــ خدا کی ایک امانت سمجھ کر۔ بس اس سے زیادہ سمجھا تو غلط سمجھا۔ اس کی حسرت دنیا میں بھی دیکھ لو گے۔ یہیں یہ تمام کوششیں اور لاڈ پیار، چاؤ چو چلے حسرت بن کر سامنے آجائیں گے۔ اور آخرت میں جو ہو گا سو ہو گا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ یہی مضمون بڑی وضاحت کے ساتھ سورہ توبہ میں آیا ہے۔ یہاں دو رشتوں پر اکتفاء کی گئی وہاں سارے علائق گن دیئے اور بیان کر دیئے گئے فرمایا "قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ یہ چیزیں کہیں خدا اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہو گئیں۔ علائق دنیوی اور مال تو پھر منتظر رہو۔ اس لفظ تَرَبَّصُوْا میں بڑی بیزاری اور تہدید ہے۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے، اس کا عذاب تم کو پکڑ میں لے اور ایسے فاسقوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ نہیں چاہئیں اللہ کو ایسے لوگ۔ یہ ہے اصل اسلوب اس آیت کریمہ کا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ ـــ لیکن آگے اسی بات کو متوازن کیا جا رہا ہے۔ اب آیت کے بقیہ حصہ کو پڑھئے۔ بتایا جا رہا ہے کہ ایسا بھی نہ ہو کہ پھر گھر ایک میدانِ جنگ بن کر

رہ جائے ۔ خاندان کے ادارے میں محبت، الفت، رأفت، ہمدردی، شفقت بہرحال مطلوب ہے ۔ یہ نہ ہو کہ ہاتھ میں ہر وقت ڈنڈا سنبھالا ہوا ہو اور سوائے خشونت اور سختی کے، سوائے درشتگی کے اور کچھ نہ ہو ۔ اپنے رویّہ کو متوازن (Balanced) رکھو ۔ اپنا تحفظ ضرور کرو کہ کہیں ان کی محبت غیر شعوری یا شعوری طور پر تمہاری عاقبت تباہ نہ کرا دے ۔ لیکن ان کے ساتھ تمہارا رویہ یہ ہونا چاہیئے کہ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ غور کیجئے کہ یہاں تین ایسے الفاظ کیوں آئے ہیں جو بالکل مترادف ہیں ۔ " اور اگر تم معاف کر دیا کرو اور چشم پوشی سے کام لیا کرو اور بخش دیا کرو تو اللہ بھی غفور اور رحیم ہے " یعنی ان کی تربیت کی فکر کرو اور تربیت میں محبت و شفقت مؤثر ہے ۔ درشتی اور سختی مؤثر نہیں ۔ لہٰذا عفو ہو، درگذر ہو، صفحِ جمیل ہو، معاف بھی کر دیا جائے ۔ وہ یہ محسوس نہ کریں کہ ان کے دل میں میرے لئے کوئی محبت ہی نہیں ۔ اگر انہیں یہ احساس ہو گیا تو پھر اصلاح کا کوئی امکان ہی نہیں ۔ پھر تو بغاوت کا مادہ پیدا ہو گا ۔ یہی ہوتا ہے ہمارے بعض دین دار گھرانوں میں، جن پر کچھ زیادہ تقشف کا دورہ پڑتا ہے، اور وہ اپنی اولاد کے لئے، گھر والوں کے لئے گویا ہر وقت لاٹھی لئے ہوئے ہوتے ہیں تو نتیجہ بالعموم یہ نکلتا ہے کہ بغاوت پیدا ہو جاتی ہے ۔ اس میں بڑی حکمت اور بڑے اعتدال کی ضرورت ہے ۔ یہ آیت میرے نزدیک ان آیات میں سے ہے ۔ ان خاص مقامات میں سے ہے یہ مقام جہاں جا کر ذہنِ انسانی بالکل بیچارا ہو کر یہ بات ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی کا کلام نہیں ۔ اس لئے کہ یہ توازن! یہ اعتدال! خالق کائنات ہی کو سزاوار ہے ۔ ایک ہی آیت میں ایک طرف کہا جا رہا ہے کہ تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد تمہاری دشمن ہیں ۔ ان سے بچو ۔ لیکن اسی آیت میں دوسری طرف یہ تاکید کہ معاف کرو ۔ درگذر کرو ۔ بخش دو ۔ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا، تین شانیں، تین صفات اللہ تعالیٰ کی ۔ وہ معاف فرمانے والا ہے ۔ صفح جمیل اس کا طریقہ ہے ۔ وہ مغفرت فرمانے والا ہے ۔ یہی تین صفتیں تم کو اختیار کرنے کی ہدایت کر رہا ہے ۔ یہاں غور کیجئے کہ عفو، صفح اور غفر کی ہدایت کے لئے دلیل کیا پیش فرمائی جا رہی ہے ۔ " فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ پس اللہ بھی غفور اور رحیم ہے " لہٰذا تم بھی اپنے اندر انہی صفاتِ ربانیہ کا عکس پیدا کرو ۔ تم خود سوچو خدا نے تمہیں کتنی ڈھیل دی ۔ اپنے باطن میں جھانک کر دیکھو کہ کتنا گند لئے پھر رہے ہو اور خدا

پھر بھی چشم پوشی کئے ہوئے ہے۔ مہلت دے رہا ہے۔ اس کی ربوبیت ہو رہی ہے لہٰذا تم بھی یہی رویہ اختیار کرو، اسی رویہ سے تربیت کرو۔ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہ ــــ یہ آیت کریمہ گویا کہ علائق دنیوی کے لئے ایک مومن کی زندگی میں ایک اساس کا درجہ رکھتی ہے۔ علائق دنیوی کے لئے اس کا نقطۂ نظر کیا ہو جانا چاہیئے، تعلقاتِ دنیوی کے باب میں اس کا رویہ کیا ہو جانا چاہیئے۔ یہ آیت ان کو متعیّن کر رہی ہے۔ اصول بیان کر دیا گیا ہے۔ اب آپ اسے پھیلاتے چلے جائیے۔

دوسری چیز جس میں یہاں انسان بندھا ہوا ہے۔ علائق دنیوی کے علاوہ۔ وہ مال ہے۔ اس لئے کہ وہی ذریعہ حیات ہے۔ قرآن مجید نے ہی بتایا ہے:— یہ مال تمہارے قیام وحیات کا ذریعہ ہے۔ اس کے بارے میں تمہارا کیا نقطۂ نظر ہونا چاہیئے! اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ط یہ تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں۔ کسوٹیاں ہیں جن پر تم پرکھے جا رہے ہو۔ فتنۃ کے معنی، وہ کسوٹی جس پر پرکھ کر گھس کر دیکھا جائے کہ کوئی چیز کھری ہے یا کھوٹی ہے۔ جو کچھ تمہیں دیا ہے، یوں سمجھو کہ امتحان کا ایک پرچہ ہے، جو لکھنے کے لئے تمہیں دیا گیا ہے۔ اگر تم نے کہیں سمجھا کہ یہ تو میری اپنی صلاحیتوں کا ثمرہ ہے، اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ط میں نے تو اپنے علم اور ہنر سے یہ سارا مال پیدا کیا ہے۔ لہٰذا میرا اس کے اوپر ملکیت کا حق ہے۔ چنانچہ میں جیسے چاہوں، خرچ کروں۔ چاہوں تو تجوری میں بند کر دوں، چاہوں تو بینک میں جمع کرا کے سود لوں، چاہوں خود سود پر چلاؤں، چاہوں تو اس سے سینما کھول دوں نائٹ کلب قائم کر دوں۔ لوگوں کے اخلاق بگاڑ دوں اور مزید پیسے حاصل کر دوں، میں جو چاہوں کر دوں۔ اس پر میرا کامل اختیار ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا۔ اس مال کے بارے میں جو اصل ہدایت ہے وہ یہ ہے کہ یہ عطیۂ خداوندی ہے، تمہاری محنت وصلاحیت کا نتیجہ نہیں ہے۔ تم خود بادنیٰ تأمل دیکھ سکتے ہو کہ تمہارے گردوپیش میں تم سے زیادہ محنت کرنے والے اور تم سے زیادہ باصلاحیت لوگ معاشی پریشانیوں میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اللہ تم کو دے کر آزما رہا ہے اور انہیں محروم رکھ کر ان کا امتحان لے رہا ہے، دونوں ہی امتحان گاہ میں ہیں اور دونوں کے ہاتھ میں امتحانی پرچے ہیں۔

اور مال کے بارے میں تو عدالت خداوندی کے کٹہرے میں دو سوال ہوں گے مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَ وَفِیْ مَا اَنْفَقَہٗ "وہ مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا؟" اس کی پوری جواب دہی کرنی پڑے گی اب اس بات کو ذرا منطقی انتہا تک پہنچایئے جس کو اس دنیا میں زیادہ ملا ہے اُسے خوش ہونا چاہیے۔ لیکن ایک اس کے بالکل برعکس نقطہ نظر بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ جسے یہاں زیادہ ملا ہے اس پر زیادہ گھبراہٹ طاری ہو۔ اس لیے کہ جتنا ملا ہے اس کا حساب بھی دینا ہوگا۔ زیادہ ملا ہے تو گویا آزمائش مزید کڑی ہوگی۔ محاسبہ سخت تر ہو جائے گا۔ یہ ہے وہ معاملہ جو ہمیں امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں نظر آتا ہے۔ ایک آزمائش وہ تھی جب انہیں وہ مار پڑ رہی تھی جس کے بارے میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ اگر ہاتھی کو بھی وہ مار پڑتی تو بلبلا اٹھتا، لیکن صبر و ثبات کی چٹان ہیں، آنکھوں میں آنسو نہیں آئے ـــــ پھر ایک اور نقشہ سامنے آتا ہے۔ حکومت بدل گئی اب جو خلیفہ بنے ہیں وہ امامؒ کے معتقد ہیں۔ انہوں نے اشرفیوں بھری تھیلی دے کر امام صاحبؒ کی خدمت میں ایلچی بھیجا ہے۔ وہ تھیلی جب امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے آتی ہے تو رد پڑتے ہیں یہ "اے اللہ! میں اس آزمائش کے قابل نہیں ہوں!" یہ کن کا نقطۂ نظر ہے! جن کے اندر ایمان رچ بس گیا ہے۔ جو اس حقیقت سے واقف ہیں کہ تکلیف اور تنگی کی صورت میں تو خدا کی طرف کچھ نہ کچھ انابت اور رجوع پیدا ہوتا ہے لیکن مال کی کثرت انسان کو غفلت میں مبتلا کرتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی پیاری حدیث ہے کہ مَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی[1] جو چیز کم ہو اور کفایت کر جائے (کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی نوبت آنے پائے) وہ اس چیز (مال و دولت) سے بہتر ہے جو کثیر ہو اور غافل کر دے! عجب دنیا کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ[1] "معلوم ہوا کہ اگر فی الواقع دنیا سے اسی قدر تعلق ہے جتنا ایک راہ چلتے مسافر کو اپنے راستے سے ہوتا ہے تب تو معاملہ درست ہے، لیکن اگر دنیا سے دلچسپی اس سے زیادہ ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان انسان کے قلب و ذہن میں جن حقائق کو مستحضر کرتا ہے، وہ روشنی ابھی پیدا نہیں ہوئی۔

آگے فرمایا وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ "اللہ ہی کے پاس ہے اجرِ عظیم" ہر انسان اپنے آپ کو INVEST کرتا ہے یعنی اپنی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کو لگاتا ہے، خرچ کرتا ہے، کھپاتا ہے۔ کیوں! کسی اجر کی توقع میں ـــــ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ کہنا

---

[1] "دنیا میں ایسے رہو گویا کہ تم اجنبی ہو یا راہ چلتے مسافر" (حدیث نبوی)

بالکل صحیح ہوگا کہ انہوں نے اپنے آپ کو کلیۃً اپنی اولاد کے لیے INVEST کر دیا ہے (کھپا دیا ہے)۔ ایک صاحب نے ایک مرتبہ بڑی پیاری بات کہی تھی کہ جناب ہم تو سوتی کپڑے پر قانع ہیں اپنی اولاد کے ـــ اولاد کا معیارِ زندگی بہتر سے بہتر ہو جائے۔ اُن کی تعلیم کسی اونچے درجے کے انگلش سکول میں ہو اور ان کی ہر جائز و ناجائز فرمائش پوری کر دی جائے۔ چنانچہ ساری محنتوں، پوری کوششوں اور تمام تر جد و جہد کا مرکز و محور کون ہے! اولاد ـــ! اور اولاد سے توقع یہ ہے کہ وہ بڑھاپے میں سہارا بنے گی ـ لیکن یہ اولاد آپ کو کیا بدلا دے سکتی ہے! یہ اُس وقت معلوم ہوگا جب بیٹا سینہ تان کر باپ کے سامنے کھڑا ہوگا " ابا جان آپ کی فلاں بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ کسی اور زمانے کی بات کرتے ہیں اور اب زمانہ بہت بدل چکا ہے ـــ!" تب یہ حقیقت کھلے گی کہ "من دیگرم تو دیگری"! وہ حدیث ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سب سے ناسمجھ اور بے وقوف شخص وہ ہے جو دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی عاقبت تباہ کر لے ـــ جب انسان اولاد کی دنیا بنانے کے لیے حلال و حرام کی تمیز اٹھا دیتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ اولاد دراصل میری اپنی شخصیت کا تسلسل ہے۔ اُسے قطعاً کسی قسم کی غیریت کا احساس نہیں ہوتا لیکن ایک وقت آتا ہے جب معلوم ہوتا ہے کہ یہ "میں" نہیں ہوں، ان کا اپنا جداگانہ تشخص ہے، اِن کی اپنی سمجھ ہے، اپنا فہم ہے، پسند و ناپسند کا اپنا معیار ہے۔ گویا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "من دیگرم تو دیگری!" ـ تاریخ انگلستان میں ایک وزیر کا واقعہ مشہور ہے کہ اُس نے بادشاہ کا خزانہ بھرنے کے لیے جائز ناجائز، حلال و حرام، ظلم و تعدی غرض کہ ہر ذریعہ اختیار کیا لیکن پھر وہ وقت بھی آیا کہ بادشاہ نے اُسی کو بڑھاپے میں ذلیل و رسوا کیا اور قید کر دیا۔ اس وقت اس وزیر کی زبان پر یہ الفاظ آئے کہ میں نے جتنی خدمت بادشاہ کی کی ہے کاش کہ اتنی خدمت میں خدا کی کرتا تو مجھے وہ بڑھاپے میں اس طرح ذلیل و خوار نہ کرتا ـــ معلوم ہوا کہ کسی اور سے اجر کی توقع رکھنے کے نتیجے میں اکثر و بیشتر مایوسیوں اور ذہنی اذیتوں سے سابقہ پیش آتا ہے! چنانچہ واضح فرما دیا۔ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ "اجرِ عظیم تو اللہ ہی کے پاس ہے!"

حضرات یہ ہیں وہ پانچ آیات جن میں ایمان کے ثمرات کا بیان ہے۔ یعنی ایمان کے نتیجے میں انسان کے نقطۂ نظر، اُس کی سوچ، اُس کے غور و فکر کے انداز میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو جاتی ہے اور تمام علائق اور مال و اسباب دنیوی کے بارے میں اُس پر گویا وہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے جسے نہایت خوبصورت انداز میں علامہ اقبال نے بیان کیا تھا کہ ؎

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند　　بتانِ وہم و گماں، لاالٰہ الاّ اللہ!

پانچ آیات میں لاالٰہ الا اللہ کے نتائج کو انتہائی جامعیت کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد اب اسلوب بدلتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے اس سورت کے پہلے رکوع میں ہم دیکھ آئے ہیں۔ کہ ابتدائی سات آیات میں ایمانیات ثلاثہ کے بیان کے بعد اسلوب میں ایک تبدیلی آئی تھی اور دعوتِ عمل دی گئی تھی کہ "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" "پس تقویٰ اختیار کرو اللہ کا، جتنی بھی استطاعت تمہارے اندر ہے"۔ یہ تو درحقیقت اطاعت ہی کا لازمی تقاضا ہے کہ کہیں حکم خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہو جائے، کہیں ہمارے ہاتھ یا پاؤں سے ایسی حرکت نہ ہو جائے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو، زبان یا آنکھ ایسی جنبش نہ کر بیٹھیں جسے ہمارا رب ناپسند کرتا ہو۔ تقویٰ یہی تو ہے! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلسِ شوریٰ میں حضرت ابی بن کعبؓ نے تقویٰ کی جو تعریف (DEFINITION) کی تھی اُسے ذہن میں لایئے ——— حضرت ابیؓ ابن کعب کون ہیں! یہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا أَقْرَؤُهُمْ أُبَيُّ ابْنُ كَعْبٍ یعنی صحابہ کرام میں قرآن مجید کے سب سے بڑے قاری اور عالم ابیؓ ابن کعب ہیں ——— وہؓ فرماتے ہیں امیر المومنین! جب کسی انسان کو کسی ایسے جنگل یا راستے سے گزرنا پڑے جو خاردار جھاڑیوں سے اٹا ہوا ہو تو وہ شخص اپنے کپڑوں کو سمیٹتا ہے، پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے کہ کہیں دامن کسی جھاڑی میں اُلجھ نہ جائے۔ یہی معاملہ اس دنیا کا ہے۔ دنیا کی زندگی بھی ایک راہ گزر ہے اور یہاں پر چہار طرف معصیت اور گناہ کی خاردار جھاڑیاں ہیں۔ جابجا گناہوں کی دعوت ہے، تمام ذرائع ابلاغ دعوتِ معصیت کو پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہاں بچ بچ کر قدم رکھنا ہے اور پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہے اور اپنے دامن کو سمیٹنا ہے کہ کہیں آلودہ نہ ہو جائے۔ یہی تقویٰ ہے ——— فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اس آیت کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس لیے کہ اس سے قبل سورہ آلِ عمران میں وہ آیت نازل ہو چکی تھی جس میں تقویٰ کا حکم انتہائی تاکیدی انداز میں آیا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ "اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے"۔ صحابہؓ کانپ اٹھے تھے کہ اللہ کا حقِ تقویٰ کون ادا کر سکتا ہے ——— پھر جب سورۂ تغابن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا تمہارے حدِ استطاعت میں ہے"، تب صحابہؓ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب تقویٰ کے معاملے میں ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق مکلّف ہے ——— آگے ارشاد ہوتا ہے وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا "اور سنو اور

اطاعت کرو!" سمع وطاعت قرآن کی ایک عجیب اصطلاح ہے۔ محض سننے سے اطاعت لازم آجاتی ہے۔ ایک انداز تو یہ ہے کہ سُنیں گے۔ غور کریں گے ــــ پھر سمجھ میں آئے گا تو مانیں گے۔ اور ایک طرزِ عمل یہ ہے کہ سُنا اور اطاعت کی! اللہ اور اس کے رسُول کی جو بات کان میں پڑی، سر تسلیم خم! زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تجزیہ کیجئے تو بات واضح ہو جائے گی کہ اگر سمع وطاعت کے درمیان اپنی سمجھ کو حائل کر لیا تو دراصل اطاعت اللہ اور اس کے رسُول کی نہیں، اپنی سمجھ کی ہے! بات بالکل سادہ کہ اگر معاملہ یہ ہے کہ سنیں گے سمجھ میں آئے گا تو مانیں گے تو کیا معنی ہوئے! یہاں اصل مطاع کون ہے! اللہ اور اس کے رسُول نہیں ہیں، اپنی سمجھ ہے۔ ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ 'سمجھ' کا کام صرف یہ ہے کہ اللہ کے حکم کو سمجھے اور اس کی حکمتوں کو سمجھے۔ سمجھ میں آجائے تو نورٌ علیٰ نور ــــ اور سمجھ میں نہ آئے تب بھی عمل لازم ہے۔ مجرّد سمع سے اطاعت لازم آجاتی ہے ــــ وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ "اور خرچ کرو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے"۔ یعنی جو مال و اسباب دنیوی جمع کیا ہے اسے خرچ کر دو یعنی اللہ کے راستے میں لگا دو۔ یہی تو ہے جو تمہارے لیے سب سے بڑا فتنہ ہے۔ کیا زہریلے سانپوں کو اپنے گرد اکٹھا کرنا بہتر ہے یا انہیں اپنے سے دُور کرنے میں عافیت ہے! خیر و عافیت اسی میں ہے کہ اس مال کو خرچ کرو، اسے اللہ کی راہ میں دینے کی عادت بناؤ، وہ فتنہ نہ ہو کہ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ[1] بلکہ نقطۂ نظر وہ ہونا چاہیئے جو ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نظر آتا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں دے دیا وہ ہے اصل بچت۔ بڑا پیارا واقعہ ہے کہ ایک بار ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں بکری ذبح ہوئی۔ حضرت عائشہ رضؓ نے تمام گوشت تقسیم کر دیا، صرف ایک شانہ رکھ لیا حضورؐ کو شانے کا گوشت مرغوب تھا۔ آپؐ گھر میں تشریف لائے اور زوجہ محترمہ سے دریافت فرمایا۔ مَا بَقِیَ مِنْهَا "اس بکری میں سے کیا بچا"۔ حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا مَا بَقِیَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا یعنی بکری میں سے کچھ نہیں بچا سوائے اُس کے ایک شانے کے ــــ فرمایا بَقِیَ كُلُّهَا اِلَّا كَتِفُهَا "بکری کا تمام گوشت بچ گیا سوائے اس کے ایک شانے کے"۔ درحقیقت بچت وہ ہے جو اللہ کی راہ میں دے دی گئی اور جو شے ہم نے استعمال (CONSUME) کر لی وہ خرچ ہو گئی۔ ایمان بالآخرت کے نتیجے میں انسان کے نقطۂ نظر میں یہ تبدیلی آجانی چاہیے کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں دے دیا وہ اصل بچت ہے۔ جو ہم نے کھا لیا، پہن لیا اور ختم کر دیا وہ خرچ (CONSUMPTION) ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ بہتر یہی ہے کہ اللہ کی راہ میں دے دو ــــ اور جان لو کہ اگر مال کی محبت تمہارے دل میں باقی رہی

[1] ترجمہ: "جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا" (اس کے لیے ہلاکت و بربادی ہے)

اور تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتی رہی تو یہ "شُحّ" ہے یعنی بخل ہے۔ ـــ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ "جو اس شُحّ سے بخل سے بچا لیا گیا" یعنی جس کی یہ رکاوٹ (BRAKE) دور کر دی فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ "تو یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں" یعنی جو شخص جی کے لالچ سے، مال کی محبت سے، طمع اور حرص سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ قیامت کے روز کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

اگلی آیت میں انفاق پر مزید زور دیا گیا ہے: اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ "اگر تم اللہ کو قرضِ حسنہ دو گے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اُسے کئی چند کر دے گا۔ اور تمہاری مغفرت کرے گا" اللہ کی راہ میں اگر انفاق کیا جائے کچھ خرچ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے ذمے قرض سے تعبیر فرماتے ہیں، حالانکہ اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہی ہے۔ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ لیکن اللہ ہماری حوصلہ افزائی اور قدر افزائی فرماتا ہے کہ ہمارے انفاق کو اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے۔ اور پھر دنیا کا قرض حسنہ تو وہ ہے جس میں صرف راس المال واپس آتا ہے اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوتا لیکن اللہ کو جو قرضِ حسنہ دیا گیا ہے وہ اُس میں اضافہ فرمائے گا اور مزید انعام یہ کہ تمہاری مغفرت فرمائے گا ـــ اس کے بعد آیت کے اختتام پر اللہ کی جو دو صفات آئی ہیں وہ بہت معنی خیز ہیں اور یہاں پر معنوی ربط ہے: وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ "اور اللہ انتہائی قدردان ہے، بردبار ہے" عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ "وہ غیب وحاضر (کھلے اور چھپے) سب کا جاننے والا ہے اور انتہائی زبردست (با اختیار) اور کمال حکمت والا ہے ـــ یعنی اگرچہ وہ العزیز ہے، یعنی اس کا اختیار مطلق ہے لیکن اسکے ساتھ ساتھ وہ الحکیم بھی ہے کمالِ حکمت والا ہے یعنی اپنے اختیار کو حکمت کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ اس آیت پر یہ سورۃ مبارکہ ختم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ایمان کا نور پیدا فرمائے اور ہمیں ایمان کے ثمرات سے حصہ عطا فرمائے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِی وَلَكُم فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَنَفَعَنِی وَاِیَّاكُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کیلئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

علّامہ اقبال کا پیغام اُمّتِ مُسلِمہ کے نام

۹ نومبر ۸۴ء کو یومِ اقبال کے سلسلہ میں "مرکزیہ مجلسِ اقبال" کے زیرِ اہتمام واپڈا آڈیٹوریم میں لیفٹیننٹ جنرل جناب سعید قادر صاحب سابق مرکزی وزیر برائے پیداوار کی زیرِ صدارت ایک تقریب منعقد ہوئی تھی، جس کی حاضری آٹھ سو افراد سے بھی متجاوز تھی۔ اس مجلس میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جو تقریر کی تھی اُسے کیسٹ سے منتقل کر کے معمولی حک و اضافہ کے ساتھ استفادۂ عام کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

الحمد للّٰہ وکفٰی والصلوٰۃ والسّلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی خصوصًا علٰی افضلھم وخاتم النبیّین محمد ن الامین وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

اما بعد

محترم صدرِ مجلس، معزز حاضرین ومحترم خواتین!

علامہ اقبال کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے قریبًا نصف صدی ہونے کو آرہی ہے اس دوران نہ معلوم دنیا میں کس کس مقام پر ہر سال 'یوم اقبال' منایا جاتا رہا ہے۔ بلکہ علامہ کی ذات تو ان شاذ ہستیوں میں سے ہے جن کا یوم ان کی اپنی زندگی ہی میں منایا گیا۔ یہ سلسلہ ان کی زندگی سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے لیکن میں ادب سے گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دن اگر ہم علامہ مرحوم کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے منائیں تو یہ اس کا صحیح مصرف نہیں ہے۔ جہاں تک علامہ مرحوم کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں اتنا کچھ لکھا اور اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ میرے نزدیک اس میں کسی اضافے کی شاید ہی کوئی گنجائش ہو۔ یقینًا اس قسم کی مجالس کے انعقاد کا صحیح مصرف وہ ہوگا جس کا ذکر پروفیسر مرزا منوّر صاحب نے کیا کہ علامہ کے چند اشعار خاص طور پر وہ اشعار جو قرآنِ حکیم ہی کے پیغام کا انعکاس ہیں اگر حاضرین کے اذہان وقلوب میں جاگزیں کرا دیئے جائیں تو واقعتًا اس نوع کی

مجالس کی افادیت مسلّم ہو گی ۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر میں آج یہ چاہتا ہوں کہ علامہ مرحوم کے افکار کے پس منظر میں ہم اپنا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں!

علامہ مرحوم نے ایک خواب دیکھا تھا ۔ اس خواب کی تعبیر پاکستان کی شکل میں منصۂ شہود پر آئی ۔ اگرچہ وہ پاکستان جو ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا وہ آج موجود نہیں ہے لیکن میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ اس وقت جو کچھ موجود ہے وہ بھی بہت غنیمت ہے ۔ بلکہ علامہ نے ۱۹۳۰ء کے خطبے میں جو خیال ظاہر کیا تھا اس میں "An Independent Muslim state at least in the North west of India." کے الفاظ موجود تھے ۔ لہٰذا ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ کم از کم شمال مغربی انڈیا کے علاقے میں یہ پاکستان موجود ہے ۔

لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس طرزِ عمل کی وجہ سے وہ عظیم تر پاکستان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا تھا ۔ آج موجود نہیں ہے ۔ اگر خدانخواستہ وہی طرزِ عمل جاری رہا جو عظیم تر پاکستان ٹوٹنے کا باعث بنا تھا تو اندیشہ ہے کہ یہ پاکستان بھی نہیں رہے گا ۔ زمینیں ختم نہیں ہوا کرتیں، وہ موجود رہتی ہیں ۔ بنگلہ دیش ہے، اور ان ہی سرحدوں کے ساتھ ہے لیکن پاکستان کا نام اس کی پیشانی سے مٹ چکا ہے ۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا! قرآن مجید میں بار بار کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ۔ یہ ہمارے اپنے کرتوت، ہمارے اپنے اعمال اور ہماری اپنی کوتاہیاں ہیں جن کی سزا اللہ ہمیں دیتا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ سقوطِ مشرقی پاکستان اس سزا کی قسطِ اوّل تھی ۔ سورۂ السجدہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ اہم قانون بیان فرمایا ہے:

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت رہی ہے کہ کسی آخری اور فیصلہ کن عذاب سے پہلے کوئی چھوٹا عذاب بھیجتا ہے تاکہ جو لوگ جاگ سکتے ہوں وہ جاگ جائیں جو ہوش میں آ سکتے ہوں وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں ۔ لیکن اگر وہ چھوٹا عذاب بھی خوابِ غفلت سے بیدار نہیں کر پاتا تو پھر آخری اور فیصلہ کن عذاب اللہ صادر فرماتا ہے ۔ جیسا کہ آپ نے ابھی مرزا منوّر صاحب کی تقریر میں سنا کہ اللہ صرف رحیم نہیں ہے، وہ قہار بھی ہے ۔ قرآن اس کی صفت منتقم بھی بیان کرتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۔

لہٰذا میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ یہ پاکستان یقیناً علامہ اقبال مرحوم کے

خواب کی تعبیر اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن یہ کہ پاکستان میں جو نظام ہمیں اب تک قائم کر چکنا چاہیئے تھا۔ صورتِ حال یہ ہے کہ اس کے بارے میں اب تک قیل وقال ہے، بحث وتمحیص ہے۔ مناظرے ہیں، مباحثے اور مذاکرے ہیں لیکن ان کا کوئی ہدف معین نہیں ہے۔ عملی پیش رفت نہ ہونے کے برابر ہے ــــ اس ضمن میں علامہ مرحوم کے اشعار جو ان کی اردو اور فارسی کی نو دس کتابوں میں پھیلے ہوئے ہیں، ظاہر بات ہے کہ ان سب کا اس مختصر سے وقت میں جائزہ لینا ممکن نہیں ہے۔ البتہ علامہ کے آخری دور کی نظموں میں سے 'ابلیس کی مجلسِ شوریٰ' اس اعتبار سے بہترین نظم ہے کہ ایک تو ۱۹۳۶ء کی لکھی ہوئی ہے۔ یعنی انتقال سے سال ڈیڑھ سال قبل ــــ دوسرے یہ کہ اس کا اسلوب فلسفیانہ نہیں ہے بلکہ نہایت سادہ وسلیس اور بالکل نئے اسلوب و انداز سے ایک پیغام پہنچایا ہے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس نظم میں علامہ نے ابلیس کے مشیروں کی گفتگو اس انداز سے نقل کی ہے کہ وہ اسے ڈرا رہے ہیں کہ ایک طرف مزدکیت (یعنی اشتراکیت) آ رہی ہے دوسری طرف سلطانیٔ جمہور کا دور شروع ہو چکا ہے۔ یہ دونوں نظام ہائے فکر ہمارے لئے خطرات کے حامل ہیں۔ تو علامہ مرحوم ابلیس کی زبان سے کہلواتے ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز میرے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے سیکولر ڈیماکریسی ہو یا سیکولر سوشلزم ہو یا یوں کہئے کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت ہو یا اشتراکی جمہوریت ہو، ان میں سے کسی سے ابلیس کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امّت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحرگاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایّام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے!

اس کے بعد اس نظم کے جو چند بند ہیں میں سمجھتا ہوں کہ 'پیغامِ اقبال بنام امّتِ مسلمہ' کے مضمون کے اعتبار سے وہ اہم ترین بند ہیں۔ ایک طرف ہماری حالت کا صحیح صحیح تجزیہ ہے چنانچہ علامہ ابلیس کی زبان سے کہلواتے ہیں ؎

جانتا ہوں میں یہ امّت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں!

دوسری طرف ابلیس اپنے اندیشے کا اظہار اس طرح کرتا ہے ؎

عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

یہ شرعِ پیغمبرؐ جس سے ابلیس کانپ رہا ہے اور لرز رہا ہے اس کی توضیح ابلیس ہی کی زبان سے علامہ یوں کراتے ہیں۔

ع: الحذر! آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر!

میں جب بھی ان اشعار پر غور کرتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ انسان کی حیاتِ اجتماعیہ کے جو اہم ترین پہلو ہیں یا جنہیں ہم 'درجوں' سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں ان کے متعلق چند اشعار میں علامہ نے ابلیس کی زبانی فیصلہ کن بات کہلوا دی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ انسانی اجتماعیت کا آغاز ایک کنبہ یعنی ایک Family سے ہوتا ہے جو عائلی نظام اجتماعیت کی اساس اور بنیاد ہے۔ اسی سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اسی سے ملحق معاشی اور اقتصادی مسائل ہیں، پھر اجتماعیت کی بلند ترین سطح پر ریاست کا تصوّر ہے۔ اس کو چلانے کے لئے اس کا انتظامی ادارہ یعنی حکومت ہے۔ ایک ایک شعر میں علامہ مرحوم نے ان تینوں کے بارے میں جو بات کہی ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہ ان کے پیغام کا عطر و جوہر ہے۔ ابلیس کی زبانی کہلواتے ہیں ع

الحذر! آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر

اس آئینِ پیغمبرؐ کے بارے میں اب پہلی بات سنئے ع

حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں

یہ ہے درحقیقت اجتماعیتِ انسانیہ کا پہلا اصول، سب سے اہم مرحلہ —— اس میں اگر توازن نہ رہے اور "وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ" والی بات اگر یہاں خراب ہو گئی تو ساری میزان تلپٹ ہو جائے گی۔ اگر اس خاندان کے ادارے، اس گھر کی دنیا میں توازن نہ رہا، یہاں کا

نظام اگر مستحکم نہ رہا تو پورے معاشرے کے اندر عدم استحکام رہے گا۔ اگر یہ ادارہ منظم ہوگا تو پورا معاشرہ منظم ہوگا۔ اس میں فساد ہوگا تو پورے معاشرے میں فساد رونما ہو جائے گا۔ اس مسئلہ پر میں مزید کچھ کہنا نہیں چاہتا اس لئے کہ مساوات مرد و زن کا مسئلہ آج کل ہمارے یہاں موضوع بحث بنا ہوا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا ہے۔ بہرحال اس موضوع پر علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، انہیں یکجا کر کے شائع کیا گیا ہے اور یہ کام میں نے انجام نہیں دیا ہے بلکہ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہ العالی نے یہ اشعار اپنی ضخیم کتاب "نقوشِ اقبال" میں "عورت، اقبال کے کلام میں" کے عنوان کے تحت جمع کئے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ علماء کرام کے حلقے میں علامہ کے سب سے بڑے مداح مولانا علی میاں ہیں۔ اس بات کا مولانا موصوف نے برملا اظہار کیا ہے۔ مولانا محترم کی اس کتاب میں سے "عورت، اقبال کے کلام میں" والا باب[1] ہم نے علیحدہ طبع کر کے ایک ہدیہ کی شکل میں آج کی اس محفل کے شرکاء میں تقسیم کر دیا ہے۔ آپ حضرات سے درخواست ہے کہ اس کا ضرور مطالعہ کیجئے ـــــ ابھی آپ نے پروفیسر مرزا منور صاحب سے بہت ہی عمدہ بات سنی ہے کہ مغربی تہذیب کے بارے میں حضرت علامہ کا کنایہ ہے اور اسی کا ذکر علامہ کے لیکچرز میں بھی ملتا ہے کہ اس تہذیب کا ایک INNER CORE ہے، اس کا مغز ہے۔ یہ INNER CORE قرآن حکیم کا عطا کردہ ہے جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، مسلم شریف کی روایت ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ۔ میرے نزدیک وہ یہاں بھی صحیح ہے کہ اگر اقوام مغرب ابھری ہیں تو اس لئے ابھری ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کی ایک چیز کو اپنایا ہے ـــــ اور وہ چیز کیا تھی! توہمات کا خاتمہ اور مشاہدے پر دار و مدار رکھتے ہوئے اپنے موقف کو قائم کرنا۔ یہ ہے وہ چیز جس سے سائنس کا آغاز ہوا۔ منطق کو استخراج کی پیچیدگیوں سے نکال کر استقراء کے وسیع تر میدان میں لے آنا۔ یہ ہے وہ کارنامہ جو قرآن مجید نے سرانجام دیا۔

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ!

---

[1] یہ باب ڈاکٹر صاحب موصوف کے خطاب بعنوان "اسلام میں عورت کا مقام" میں بطور ضمیمہ شامل ہے۔ (مرتب)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ○

ان آیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ، ان سے قوانینِ فطرت کا استنباط اور ان کا استعمال یہ درس درحقیقت قرآن نے بیدار کی۔ مغرب نے اس کو اچک لیا۔ ہم مغرب کو بیدار کر کے خود سو گئے۔ لیکن مغرب میں اس کے ساتھ ہی ایک ایسی تہذیب بھی پروان چڑھی، جسے علامہ اپنے اردو کلام میں کہتے ہیں ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اور اسی مفہوم کو علامہ نے اپنے لیکچرز کے شروع میں ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

"The Dazzling exterior of the present Western Civilization" ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ Dazzling Exterior سے بچ کر اس تہذیب کے اصل CORE کی طرف توجہ کی جائے۔ اس کے بغیر فی الواقع ہم اس راستے پر نہیں چل سکتے جو قرآن حکیم نے دکھایا تھا اور جسے علامہ اقبال نے ہمیں یاد دلایا۔

اب آگے چلئے۔ سیاسی سطح پر علامہ نے جمہوریت کی بڑی نفی کی ہے۔ اس پر پھبتیاں بھی چست کی ہیں کہ ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلامے پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس سے جو مغالطے لوگوں کو ہو گئے ہیں، وہ درست نہیں ہیں۔ علامہ نے دراصل مغربی طرزِ فکر کی جمہوریت کی نفی کی ہے۔ ورنہ فی نفسہٖ جمہوریت نے انسان کو حرّیتِ نفس دی ہے۔ حقوق دیئے ہیں، حرّیت بخشی ہے۔ یہ تمام چیزیں وہ ہیں جو قرآن عطا کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ ہی اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ اندر دلش
حرّیت سرمایۂ آب و گلش!!

ناشکیبِ امتیازات آمدہ !! در نہادِ اُو مساوات آمدہ

قرآن کی یہ تعلیم بھی تو ہے۔ وہ حریت، وہ آزادی کہ ایک گورنر نے اپنے گھر کے ساتھ ایک ڈیوڑھی بنوائی تھی اور ایک دربان کھڑا کر دیا تھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان پہنچ گیا کہ "لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا۔ تم نے ان کو اپنا غلام کب سے بنا لیا!" یہ آزادی تھی جو قرآن نے دی تھی۔ اسی لئے علامہ اقبال آئین پیغمبری کی شرح میں ابلیس کی زبان سے کہلوا رہے ہیں ؎

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں

جب تک یہ نظام وجود میں نہیں آتا۔ دنیا میں صحیح معنوں میں امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ اسی کو علامہ نے ایک دوسرے مقام پر یوں بیان کیا ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تدبیرت کے دائرے کے باہر کوئی فردِ واحد اقتدار کی کرسی پر اس بات کا مدعی بن کر نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ اختیار میرا ہے۔ چنانچہ اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے اَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ کے اصول پر کاروبار اور انتظام حکومت چلانا اسلام کے مطابق ہوگا۔ اس دائرے کی تشکیل کے لئے عوام کے نمائندوں کے انتخابی عمل کو آپ چاہے جمہوریت کے نظام کا نام دیجئے اور چاہیں تو شورائیت کا۔ اسی طرح منتخب ادارے کو شوریٰ کہیں چاہے مجلس ملی کہیں۔ البتہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اور اَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ کے دائرے کو پھلانگ نہیں سکتے اس کے اندر اندر رہتے ہوئے اب تک فکرِ انسانی اور تمدن کا جو بھی ارتقاء ہوا ہے اس کے مطابق اور اس کے اعتبار سے جو بھی اعلیٰ ترین ریاست ہو سکتی ہے وہی اسلامی ریاست ہوگی۔ اس ریاست کی مقننہ پر البتہ یہ پابندی ہوگی کہ قانون سازی کا اس کا اختیار محدود ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور حدود سے کسی طور پر بھی تجاوز نہیں کر سکتی۔ اگر ہم اس طرف پیش قدمی نہیں کریں گے اور اس کے برعکس کوئی نظام لانا چاہیں گے تو گویا یہ سسم

درحقیقت علامہ کے خواب سے ایک برگشتہ راستہ اختیار کریں گے۔

آگے چلئے۔ کون نہیں جانتا کہ اجتماعیتِ انسانی کا ہمیشہ سے ایک اہم شعبہ اقتصادیات رہا ہے۔ علامہ مرحوم کا اس اعتبار سے معاملہ بڑا عجیب رہا ہے۔ ہمارے علماء کرام اور وہ حضرات جو 'دینی دانشور' مشہور ہیں، واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے 'اقتصادیات' کو کچھ زیادہ موجب اعتناء نہیں سمجھا۔ لیکن علامہ کی جو پہلی تصنیف تھی، وہ اسی موضوع پر تھی پھر یہ کہ اس دور میں اس نے جو اہمیت اختیار کرلی ہے علامہ اس سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا اس میدان میں جتنا بلند، واضح اور نکھرا ہوا فکر علامہ نے ہمیں دیا ہے اگر ہم نے اس کی طرف پیش قدمی نہ کی، صرف چند قوانین اور چند تعزیرات کو بدل کر ہم نے یہ سمجھا کہ اسلامی نظام قائم ہوگیا ہے تو یہ بہت بڑا مغالطہ ہے۔ چونکہ درحقیقت جو اصل نظام ہے اس کی جڑ اقتصادیات پر قائم ہے۔ وہ اگر جوں کا توں رہے اور جیسا کہ علامہ کا یہ شعر میں آپ کو سنا چکا ہوں ؎

جانتا ہوں میں یہ امّت حاملِ قرآں نہیں ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

آج اگر ہم نے اسی سرمایہ دارانہ نظام کو تھوڑی سی ظاہری ٹیپ ٹاپ کے ذریعے سے اور کچھ لیبل بدل کر عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ نظام بدل گیا۔ اسلام آگیا۔ تو مجھے اندیشہ یہ ہے کہ قوم اسلام سے برگشتہ اور مایوس ہوجائے گی۔ جب تک جو اصل الاصول ہے اسی کو ہم نافذ نہ کریں۔

اب دیکھئے علامہ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں ؎

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

دولت آلودگی سے پاک وصاف کیسے ہوگی جب تک کہ کمانے کے جو ذرائع حرام ہیں، ان کو بند نہ کیا جائے۔ اگر حرام کمائی کے تمام ذرائع کھلے ہوں اور اس کی بدولت جو گندگی بنک میں جمع ہوگئی ہو، اس میں سے ڈھائی فیصد کاٹ لیا جائے اور تشہیر کردی جائے کہ زکوٰۃ کا نظام قائم ہوگیا ہے تو یہ اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ کمائی کے حرام ذرائع کو سب سے پہلے بند کرنا ہوگا۔ یہ ہے "کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک!" آلودگی کونسی ہے! پیسے میں تو کوئی آلودگی نہیں ہے۔ مجھے اس موقع پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ پچھلے زمانے کی بات ہے۔ لوگ سادہ لوح ہوتے تھے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ ہمارے ہی عزیزوں میں ایک بزرگ تھے۔ جنہوں نے حج کے لئے روپیہ جوڑا تھا۔ لیکن اس میں رشوت وغیرہ کی رقم بھی شامل تھی تو انہوں

نے کہا کہ میں روپے لے کر بنک جا رہا ہوں وہاں سے بدلوا کر نئے نوٹ لے آؤں گا اور ان سے حج کروں گا۔ دنیا میں یہ تماشا جو ہوتا رہا ہے آج بھی دہرایا جا رہا ہے ـــــ علامہ کہتے ہیں:

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک۔ وصاف

پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ بیع و شراء کے کتنے طریقے حرام ہیں جو مروّج ہیں۔ ہمارے یہاں کے صنعت کار اور تجّار مسجدوں اور دار العلوموں کے لئے چندے دینے کے لئے تیار ہیں لیکن اس جانب عموماً توجہ کم دی جاتی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ یہ رقم جن ذرائع سے حاصل کی گئی ہے وہ اسلام کی رو سے حلال ذرائع ہیں یا حرام! جب بھی مجھے ارباب حل وعقد میں سے کسی ذمہ دار شخصیت سے ملنے کا اتفاق ہوا تو میں نے عرض کیا کہ ایک کمیشن بنائیے جو جائزہ لے کہ معاشرے میں لین دین کے جو طریقے رائج ہیں ان میں حلال کون کون سے ہیں اور حرام کون کون سے!

منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

مال و دولت کے ضمن میں امانت کا تصوّر یہ ہے کہ اس میں تصرّف شرع مبین کے مطابق ہو۔ شیخ سعدیؒ نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ؎

ایں امانت چند روزہ نزد ما ست
درحقیقت مالکِ ہر شے خدا ست

آگے چلئے۔ اسی نظم میں ابلیس کی زبان سے علامہ کہلواتے ہیں ؎

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

یہ بات جان لیجئے کہ ہمارے ملک کی قسمت جو بدل نہیں پا رہی اس کی وجہ یہ ہے کہ چند پرتسمہ پا ہیں جو آزادی کے وقت سے ایوانِ اقتدار پر مسلّط چلے آ رہے ہیں۔ لیبل بدلتے ہیں۔ کبھی ایک پارٹی کا کبھی دوسری پارٹی کا لیکن شخصیتیں وہی ہیں۔ اگر کہیں فرق واقع ہوتا ہے تو یہ کہ باپ کی جگہ بیٹا، چچا کی جگہ بھتیجا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ـــــ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ وہ زمینداری کا نظام جوں کا توں قائم ہے، اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ اب آپ علامہ اقبال کے کلام کو پڑھیں، ان کے اشعار گنگنائیں۔ ان کو ذرائع ابلاغ پر پیش کریں لیکن علامہ کے وہ اشعار کبھی سننے سنانے میں نہ آئیں، جن میں اس نظام زمینداری پر علامہ نے بھرپور تنقیدیں کی ہیں۔ میری نظر سے جب پہلی بار یہ اشعار گزرے تو یقین

کیجئے میں کانپ گیا تھا ؎

خدا آں ملت را سروری داد　　　　کہ تقدیرش بدستِ خویش بنوشت
بآں قومے سروکارے نہ دارد　　　　کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

ذرا دوسرے شعر پر اپنی توجہات کو مرتکز کیجئے۔ جس قوم کا دہقان دوسروں کے لئے کاشت کاری کر رہا ہو، اللہ کا اس سے کوئی سروکار نہیں[1]

یہ ہے پیامِ اقبال۔ یہ دو سود ہیں جو ہم پر مسلط ہیں۔ ایک نقد کا سود ہے، دوسرا زمین کا سود ہے۔ جب تک یہ دونوں سود ختم نہیں ہوں گے اور ان کی جڑیں نہیں کٹیں گی۔ سرمایہ داری حقیقی اسلام کی راہ میں سنگِ گراں بنی رہے گی۔ حرام ذرائع میں ام الخبائث ہے سود! ہمارا سارا اقتصادی نظام چاہے وہ کاشت کاری کا ہو، درآمد و برآمد کا ہو، صنعت و تجارت کا ہو، بنک کاری کا ہو، وہ سب کا سب سود پر چل رہا ہے۔ علامہ اقبال نے اس سود کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ؎

از ربا آخر چہ مے زاید؟ فتن !　　　　کس نداند لذتِ قرضِ حسن

اس ربا (سود) کے باطن سے تو صرف فتنے ہی برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ قرضِ حسن کی لذت سے (افسوس) کہ کوئی واقف نہیں (علامہ نے سود کے مقابلے میں قرضِ حسن کو متعارف کرایا ہے)۔

از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ　　　　آدمی درندہ بے دندان و چنگ

اس سود کی وجہ سے روح میں تاریکی آجاتی ہے اور دل پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے

---

[1] ساتھ ہی علامہ کے اسی موضوع پر اردو کے بھی چند اشعار سن لیجئے۔ فرماتے ہیں ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟　　　　کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار؟　　　　خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟　　　　موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟
دِہ خدایا[2] یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں

[2] یہاں دِہ خدایا سے مراد مالکِ زمین ہے (مرتب)

انسان کے اگرچہ چیر پھاڑ والے دانت اور پنجے نہیں ہوتے لیکن سود خواری کی وجہ سے آدمی درندہ صفت بن جاتا ہے۔

جب تک یہ سودی نظام بالکلیہ ختم نہیں ہوگا اس کو بیخ و بن سے اکھاڑا نہیں جائیگا پاکستان میں حقیقی نظامِ اسلامی کا نفاذ امید موہوم ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ ہمارے یہاں ایسے لوگ موجود ہیں، جن میں یہ ہمت ہے کہ غلط بات کو دلائل کے ساتھ غلط کہیں۔ علماءِ کرام کے حلقے میں بھی ایسے بزرگ بحمد اللہ موجود ہیں جو خیر خواہی اور نصح کے جذبے کے ساتھ غلط اقدامات کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ پھر ہمارے یہاں دینی مزاج رکھنے والے جو اعلیٰ ماہرین اقتصادیات ہیں، ان کی آراء سامنے آچکی ہیں کہ موجودہ بنکاری کے نظام میں سرسری اور معمولی تغیر و تبدل سے اگر یہ سمجھا جائے کہ سودی نظام ختم ہوگیا یا قریب الختم ہے تو یہ بہت بڑا مغالطہ ہے۔

رہا زمینداری کا معاملہ تو اس طرف تو ابھی کوئی توجہ ہے ہی نہیں۔ علامہ اقبال کے محبان کی بھی علامہ کی "انقلاب" والی نظم پر شاید ہی توجہ مرکوز ہوئی ہو جو زبورِ عجم میں شامل ہے۔ اس نظم کا پہلا بند یہ ہے۔

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب

انقلاب

انقلاب! اے انقلاب!

ایک بند کے اندر علامہ اقبال نے دونوں سود جمع کر دیئے ہیں۔ جب تک ان کی جڑ نہیں کٹے گی نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آئے گی۔

ایک بات مزید عرض کر دوں۔ وقت میرے پاس بھی کم ہے اور آپ کے پاس بھی۔ وہ یہ ہے کہ یہ انقلاب آئے گا کیسے!! انقلاب کا نام لینا آسان ہے، اسے عملاً برپا کرنا مشکل ہے۔ اس لئے کہ ان چیزوں کو نعرہ بنا کر کوئی تحریک شروع کر دی تو اس کے نتیجے میں پھر کوئی اور انقلاب آئے گا، مادّی انقلاب تو آسکتا ہے۔ وہ سیکولر سوشلزم کا انقلاب ہو سکتا ہے۔ اسلامی سوشلزم کا انقلاب اس طور سے نہیں آسکتا۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ علامہ نے کتنی عمیق نظر پائی تھی۔ وہ واقعتہً ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ انہوں نے تو مرزا غالب کے متعلق کہا تھا ؎

فکرِ انساں پر تیری ہستی سے یہ روشن ہوا ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا!

میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ شعر خود علامہ کے لئے درست ہے۔ انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ کیسے کیسے مضامین کو کتنی خوبصورتی، سلاست اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ اپنی شاعری میں سمویا ہے ـــــ اسلامی انقلاب کے دو مرحلے ہیں اور ان دونوں کو ایک شعر میں بیان کر دیا ـــــ پہلا مرحلہ ہے ؎

باتشہ درویشی در سازو دمادم زن

اگر فقر نہیں ہے درویشی نہیں ہے۔ اگر آپ خود اللہ کے بندے نہیں بنے ہیں۔ اگر آپ اپنے وجود پر اللہ کے دین کو قائم نہیں کر چکے ہیں تو میدان میں آنا بیکار ہے، لاحاصل ہے اس سے فساد اور دنگا ہوگا اس کے سوا کچھ بھی نہیں ـــــ پہلا مرحلہ مکی دور کے بارہ سالوں پر محیط مرحلہ، جس میں تربیت تھی، تزکیہ تھا، جس میں تیار کیا جا رہا ہے۔ جس میں نظم و ضبط کا خوگر بنایا جا رہا تھا۔ ذرا اندازہ کیجئے اس سے سخت حکم کوئی اور ہو سکتا تھا! صحابہ کرام کو حکم تھا کہ ماریں کھاؤ، ہاتھ مت اٹھاؤ، تمہیں دہکتے انگاروں پر لٹایا جائے تو لیٹ جاؤ Retaliate نہیں کر سکتے۔ اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ بارہ برس تک Order of the day یہ رہا ہے۔ یہ تھی صحابہ کرامؓ کی جماعت ـــ اکبر الہ آبادی نے کہا ہے ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل! جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر تعمیر نہ کر بنیاد نہ رکھ

اور یہ خشت بنائی ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ یہ امر واقعہ ہے۔ حضرت خبابؓ ابن ارت کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا ہے۔ ایک Desperate انسان، جس کو معلوم ہو کہ یہ مجھے کباب بنانے چلے ہیں، اجازت ہو تو کم از کم دو چار کو تو مار کر مرتا۔ اجازت نہیں ہے۔ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ۔ ہاتھ باندھے رکھو۔ یہ اصل میں بنیادی مرحلہ ہے، جسے ہم نظر انداز کرتے ہیں اور مدنی دور نگاہوں میں آجاتا ہے۔ سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ مطالعہ نہایت ناقص ہے۔ اس سے بڑے بڑے مغالطے لاحق ہوتے ہیں ـــــ آج کچھ مرشدوں کے ذکر سے بات شروع ہوئی تھی۔ جناب مجید نظامی نے جناب مرزا منور صاحب کو اپنا مرشد مانا ہے اور مرزا صاحب حضرت علامہ مرحوم کو اپنا مرشد مانتے ہی ہیں۔ تو علامہ نے اکبر الہ آبادی کے انتقال پر ان کے صاحب زادے کو جو تعزیتی خط لکھا تھا تو اس میں یہ الفاظ

ہیں کہ "میں آپ کے والدِ مرحوم کو اپنا معنوی مرشد تسلیم کرتا ہوں"۔ یہ اکبر الٰہ آبادی ہیں جو کہتے ہیں ؎

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے!
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

یہ غارِ حرا کی تنہائیاں ۔ وہاں کے مراقبے ۔ وہ تھے جنہوں نے جناب محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کو وہ پاور ہاؤس بنا دیا تھا کہ جس نے پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شخصیتوں میں کرنٹ دوڑا دیا ۔ اور کرنٹ کیسا دوڑایا کہ دشمنوں نے یہ گواہی دی کہ : هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ" یہ رات کے راہب ہیں، دن کے شہسوار ہیں"۔ میں اس موقع پر علاّمہ کا وہ شعر پیش کرنے کی بھی اجازت چاہتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ تکبیرِ رب کے معنی ہی اصل میں ' اللہ کے دین کا بول بالا کرنا ہے ۔ وہ نظام قائم کرنا ہے جس میں آخری سند، آخری اتھارٹی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہو ۔ فرمایا ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل — یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مسلکِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست، — یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات

یہ ہے پہلا مرحلہ، جسے ایک مصرع میں جمع کر دیا گیا حضرتِ علاّمہ نے ؏

با نشّۂ درویشی درساز و دمادم زن

لیکن دوسرا مرحلہ بھی ہے ۔ اگر معاملہ پہلے مرحلہ ہی میں محدود رہے گا تو یہ خانقاہی نظام بن جائیگا ۔ اگر دوسرا مرحلہ نہیں آئے گا تو معاملہ وہ ہو جائے گا جس کے متعلق ابلیس نے اپنے کارندوں کو آخری نصیحت کی تھی ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

ــــ یہ لگا رہے اپنے ہی مراقبوں میں اور اپنے ہی چلّوں میں ۔ یہ کبھی میدان میں آکر مجھے نہ للکارے ۔ لیکن اگر یہ ساری تیاری اُس رُوحانی طاقت کے حصول کے لئے ہے کہ اللہ کا دین غالب کردیا جائے تو ایک مرحلہ آنا ہے جب سر بکف میدان میں آنا ہوگا ۔ اسی کو علاّمہ دوسرے مصرع میں بیان کرتے ہیں ؏

چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

یہاں دوسرا مرحلہ بیان ہوا ہے کہ جب پہلا مرحلہ طے کر لو اور تعلق مع اللہ میں پختہ ہو جاؤ تو خود کو سلطنتِ جم پر دے مارو۔ باطل سے جا ٹکراؤ۔ لیکن اگر پختہ ہوئے بغیر یہ کام کیا جائے گا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے ریت کا گولہ بنا کر شیشے پہ مار دیں تو شیشے کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ البتہ ریت بکھر جائے گی۔ لیکن اگر اسی کو پختہ کر لیا گیا تو جو نتیجہ نکلے گا اُسے اردو میں علامہ نے یوں بیان کیا ہے :۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

پختگی کے مرحلے سے گزر کر اگر اقدام ہوگا تو کوئی نہ کوئی نتیجہ برآمد ہوگا ـــــ میں یہ بھی عرض کر دوں کہ دعوت کا مرحلہ ہو تبلیغ کا مرحلہ ہو یا تربیت کا مرحلہ : ان سب کا مرکز و محور ہے قرآن حکیم۔ میں نے علامہ ہی کے اشعار کے حوالوں سے بھی یہ باتیں تفصیل سے لکھی ہیں جو میری ایک تقریر "علامہ اقبال اور ہم" نامی کتابچے میں موجود ہیں جو آج کے شرکاء میں ہدیتہً پیش کی گئی ہے۔ صرف یہ گذارش کروں گا کہ دانشورِ حضرات کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ کسی اور کی چیز پڑھنا اور مقررین کے لئے مشکل ہوتا ہے کسی اور کی تقریر سننا : اس اعتبار سے مجھے اندازہ ہے کہ دانشورِ حضرات کے لئے مشکل ہے کہ اس کتابچے کا مطالعہ کریں، لیکن میں گذارش کروں گا کہ وقت نکال کر اس کو پڑھ لیجئے۔ معلوم ہو جائے گا کہ ایمان کا منبع و سرچشمہ ہے قرآن۔ دعوت و تبلیغ قرآن کے ذریعے سے۔ تزکیۂ نفس قرآن کے ذریعہ سے۔ علامہ کہتے ہیں ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یہ قرآن جب ذہن میں اترتا ہے تو ذہن کی تطہیر ہو جاتی ہے اور جب یہ دل میں اترتا ہے تو تزکیۂ نفس ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان کے فکر و عمل میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے، وہ ایک بدلا ہوا انسان بن جاتا ہے ؎

جاں چوں دیگر شد، جہاں دیگر شود

تزکیۂ نفس کے لئے میرے نزدیک سب سے اونچی بات تو یہ ہے جو علامہ نے فرمادی ؎

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است زانکہ اُو گم اندر اعماقِ دل است

اس ابلیس کو کیسے ماریں گے! وہ تو دل کی گہرائیوں میں جا کر کمین گاہ بناتا ہے۔ یہ دراصل اس حدیثِ رسولؐ کا مفہوم ہے ـــــ جو علامہ نے اپنے اس شعر میں بیان کیا اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّم "شیطان تو انسان کے وجود میں ایسے سرایت کر جاتا ہے جیسے خون"۔ اس کو کیسے ماریں گے!

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی! — کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی!!!!

قرآن وہ شے ہے جو دل کے اندر جاتی ہے اور اندر کے شیطان کو اپنی شمشیر سے مسلمان بنا لیتی ہے۔ اگر زہر وہ ہو جو سارے وجود میں پھیل سکتا ہے تو تریاق بھی وہ درکار ہے جو سارے وجود میں سرائت کر جائے اور وہ تریاق صرف اور صرف قرآن ہے۔

معلوم ہوا دعوت و تبلیغ بذریعہ قرآن، تزکیہ بذریعہ قرآن، تربیت بذریعہ قرآن ان چیزوں کی کس قدر واضح باتیں ہیں جو حضرت علامہ نے آج سے پچاس سال قبل امّت کے سامنے پیش کر دی تھیں[۱]۔ میں اس موقع پر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا ایک تاثر آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ یہ آج سے قریباً پندرہ سال قبل کی بات ہے۔ مولانا

---

[۱] علامہ مرحوم قرآن مجید کے علوم و معارف، اس کے اسرار و رموز، اس کے حِکَم و عبر، اس کے بصائر و تعلیمات، اس کی تاثیر و اعجاز کی طرف کس فصاحت و بلاغت کے ساتھ توجہ دلاتے ہیں

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہان و ہم پیدا است او — زندہ و پائندہ و گویا ست او
صد جہانِ تازہ در آیات اوست — عصرہا پیچیدہ در آنات اوست

علامہ کو عظمتِ قرآن، اس کی جلالتِ قدر اور رفعتِ شان کا کس درجے احساس و ادراک تھا اسے ذرا توجہ سے سنئے۔ فرماتے ہیں ؎

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم!! — حکمت او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات ـــ! — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات!
حرف او را ریب نَے، تبدیل نَے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نَے
نوعِ انسان را پیامِ آخریں — حاملِ او رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ،
رہزناں از حفظ او رہبر شدند — از کتابے صاحبِ دفتر شدند!

آنکھوں کے آپریشن کے لئے لاہور میں مقیم تھے لیکن آپریشن لسٹ میں نام دور تھا۔ لہٰذا فرصت میسر تھی۔ انہوں نے یقیناً علامہ کی کتابیں پہلے بھی پڑھی ہوں گی لیکن اس فرصت میں انہوں نے علامہ کا پورا اردو اور فارسی کلام از ابتدا تا آخر بالالتزام نظر سے گزارا۔ اس کے بعد دو باتیں فرمائیں ـــــ میں نے اس کتابچے میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ دو باتیں اور دونوں ہی نہایت عظمت کی حامل باتیں ہیں ـــــ پہلی بات تو یہ فرمائی کہ "قرآن مجید کے بعض مقامات کے بارے میں مجھے ایک مان تھا کہ میں نے ان کی جو تعبیر کی ہے، اس سے پہلے شاید کسی اور نے کی ہو۔ لیکن میں نے دیکھا کہ علامہ مجھ سے بہت پہلے اور مجھ سے بہت بہتر تعبیر کر چکے ہیں۔" دوسری بات انہوں نے یہ فرمائی کہ علامہ کا کلام پڑھ کر میرا کلیجہ دھنس گیا ہے۔ میری ہمت ٹوٹ گئی ہے۔" میں حیران کہ یہ کیا فرما رہے ہیں: اس کی شرح یہ سامنے آئی کہ مولانا نے فرمایا "میں سوچتا ہوں کہ اگر اقبال جیسا حُدی خواں اس قوم میں ہو کر گزر گیا اور یہ قوم ٹس سے مس نہ ہوئی تو میرے یا کسی اور کے کرنے سے کیا ہوگا!" یہ تھا مولانا کا تاثر ـــــ پچاس برس سے ہم علامہ کو پڑھ رہے ہیں، سن رہے ہیں۔ تقریبات منعقد کر رہے ہیں۔ ان کو طرح طرح سے، ہر سال خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن ذرا سوچئے کہ ہم نے اقبال مرحوم کے اس پیغام کے متعلق کبھی سنجیدگی سے سوچا بھی ہے جو انہوں نے امت کو دیا تھا! اور حقیقی اسلامی نظام کے قیام کے لئے ہم کچھ کرنے کے لئے بھی تیار ہیں یا نہیں! علامہ اقبال کے اس پیغام پر میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں

مثلِ بو قید ہے غنچے میں، پریشاں ہو جا — رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہو جا
ہے تنک مایہ تو ذرّے سے بیاباں ہو جا — نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا
قوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

اقول قولی هٰذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

مسلمان کے دینی فرائض

میر قطب الدین علی چشتی
مہتمم دارالعلوم انوار الہدیٰ حیدرآباد دکن انڈیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

قابلِ احترام امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (امت برکاتہم)

علمائے کرام، بزرگانِ محترم، نوجوانانِ عزیز و معزز خواتین

اسلامی تہذیب و تمدن کے ایک عظیم مرکز اور علوم قرآنی کے مخزن سرزمین لاہور پر صدر و مؤسس انجمن خدام القرآن و امیر تنظیم اسلامی حضرت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ کی دعوت پر یہاں قرآن اکیڈیمی لاہور میں مجھے پہلی بار حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے گذشتہ سال مجلس اشاعتِ اسلام حیدرآباد دکن کی دعوت پر ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی حیدرآباد دکن تشریف آوری کے نتیجے میں ڈاکٹر صاحب سے پہلی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا ویسے شہر حیدرآباد میں ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری سے قبل بھی ڈاکٹر صاحب کے اثر انگیز درس قرآن کے بیسیوں کیسٹس سے استفادے کے مواقع حاصل ہو چکے تھے جس کے نتیجے میں ڈاکٹر صاحب کے طرزِ استدلال اور اندازِ تفہیم سے میں بے حد متاثر تھا۔ میری طرح ہماری مجلس اشاعت اسلام حیدرآباد دکن کے بعض عہدہ دار و اراکین نیز بعض علمائے کرام بھی جن کو ڈاکٹر صاحب کے کیسٹس سننے کے مواقع ملے ڈاکٹر صاحب کی قرآن دانی اور اعلیٰ ترین سطح پر عصری اسلوب میں قرآن کریم کی دلنشین تفہیم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ ہماری مجلس اشاعتِ اسلام کے ذمہ دار اور دیگر دینی ذوق اور علمی پیاس رکھنے والے حضرات سے مشاورت کے بعد مجلسِ اشاعتِ اسلام کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو حیدرآباد تشریف آوری کی زحمت دینا طے کیا گیا چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی خدمت میں دعوت پیش کر دی گئی اور ڈاکٹر صاحب نے باوجود گوناگوں مصروفیات کے ازراہِ نوازش اُسے قبول فرمالیا اور دس یوم کے لیے اپنے فرزند عزیز جناب ڈاکٹر عارف رشید صاحب کے ساتھ حیدرآباد دکن

تشریف آوری ہوئی اور ان دس یوم میں کم از کم پچیس اجتماعات کو اپنے بصیرت افروز دروس قرآن و مواعظ حسنہ سے مستفید فرمایا جنمیں رات کے اجتماعات نہایت عظیم الشان اور تاریخی حیثیت کے حامل رہے۔ شہر حیدرآباد کے تقریباً تمام ہی مسالک کے مسلمانوں نے عموماً اور تعلیم یافتہ طبقے نے خصوصاً ڈاکٹر صاحب کے ان خطابات سے خوب خوب استفادہ کیا اور بہترین تاثر لیا۔ ڈاکٹر صاحب کی موجودگی میں ہی ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم کتابچہ "راہِ نجات" سورہ والعصر کی روشنی میں مجلس اشاعتِ اسلام کی جانب سے ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا گیا اور عوام و خواص کی ایک کثیر تعداد نے اُس سے استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب کی تقاریر اور دروس قرآن کے سینکڑوں کیسٹس مجلس اشاعتِ اسلام کی جانب سے ٹیپ کروا کر پھیلائے گئے۔ اور پھیلائے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے لاہور واپس تشریف لیجانے کے بعد ڈاکٹر صاحب کی ہدایات کی روشنی میں قرآن اکیڈیمی آف انڈیا کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے صدر حیدرآباد کی مشہور شخصیت اُستاذ الاساتذہ جناب محترم قاری محمد عبدالعلیم صاحب مدظلہ معتمد عمومی آل انڈیا مجلس قرأت منتخب کیے گئے۔ شہر حیدرآباد اور بیرون کے تین نامور اہل علم نائب صدر کی حیثیت سے منتخب ہوئے اور احقر کو بحیثیت معتمد عمومی منتخب کیا گیا۔ علاوہ ازیں ایک آرگنائزنگ سیکرٹری، ایک جائنٹ سیکرٹری ایک خازن اور مزید چند اراکین بھی منتخب کیے گئے۔ ہماری اس قرآن اکیڈیمی کے صدر محترم اور ایک رکن حافظ قاری سید نصیرالدین علی سیکرٹری دارالعلوم انوار الہدیٰ حیدرآباد دکن بھی ہماری اس مجلس میں شریک ہیں۔ ہماری قرآن اکیڈیمی کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم اور مشہور تصنیف "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کی اشاعت عمل میں لائی گئی۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے کمال اخلاص اور وسعت قلبی کی بنیاد پر اصحاب علم و فضل کے ساتھ مجھ جیسے کمتر ین اور کم مایہ طالب علم کو بھی بطور ہمت افزائی محاضرات قرآنی کی اس خالص علمی مجلس میں کچھ گذارشات پیش کرنے کا حکم فرمایا ہے میں اس قابل تو نہیں کہ جلیل القدر اہل علم حضرات کی محفل میں زبان کھولنے کی جرأت کروں لیکن الامر فوق الادب کے تحت ڈاکٹر صاحب کی طرف سے پیش کردہ خلاصہ تصور فرائض دینی کے تین فرائض پر چند معروضات ادب پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ میری ان گذارشات میں جو باتیں حق ہوں، وہ منجانب اللہ سمجھی جائیں اور جو قابل اصلاح ہوں میری کم علمی کی وجہ خیال فرما کر اُس کی اصلاح فرماتے ہوئے میری رہنمائی فرمائیں۔

ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے خلاصہ تصورِ فرائض دینی کا جو خاکہ پیش فرمایا ہے وہ اپنے موضوع پر قرآن و حدیث کا ست، جوہر (ESSENCE) ہے گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ اس

میں سب سے پہلا فریضۂ دینی جو بتلایا گیا ہے وہ یہ کہ ایک مسلمان صحیح معنی میں سب سے اللہ کا سچا اور پکا بندہ بننے کی کوشش کرے۔ انسان کا اپنے خالق و مالک سے جو حقیقی ربط و تعلق ہے وہ بندگی اور غلامی ہی کا ہے۔ اسی تعلق کو بتلانے سمجھانے اور مضبوط و پختہ کروانے کے لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لاتے رہے اور اللہ واحد کی توحید کے اثبات کے ساتھ ساتھ اپنی اور تمام انسانوں کی حقیقی پوزیشن کا بحیثیت بندہ اقرار کرواتے رہے اور سب سے آخر میں آقائے نامدار فخر موجودات تاجدار مدینہ ابی وامی فداہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دعوت کو پوری دنیا کے قیامت تک آنے والے انسانوں کے سامنے پیش فرمایا اُس میں أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کے بعد وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کا اقرار کرنا بھی ایمان کی تکمیل کے لیے لازمی اور ضروری قرار دیا گیا۔ معراج میں حضورؐ کے عرش پر تشریف لیجانے کے نتیجے میں آپؐ کو جو خصوصی قرب و ترقی کے منازل طے کرائے گئے اُس کے پیش نظر اس اندیشے کے ساتھ کہ کہیں کسی کو یہ شبہ نہ ہو جائے کہ حضورؐ عبدیت کے صفات سے تجاوز فرما کر الوہیت کے صفات سے متصف ہو گئے ہیں تو اس شبہ کو رفع کر کے حضورؐ کی عبدیت کو واضح (CRYSTAL CLEAR) کرنے کے لیے اس عظیم الشان واقعہ کا تذکرہ جب قرآن مجید میں کیا گیا تو حضورؐ کو لفظ عبد سے یاد کیا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا سُبْحَانَ الَّذِيْٓ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی۔ اسی طرح جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کو جب اللہ تبارک و تعالیٰ محبت سے یاد فرماتے ہیں تو عبد ہی سے یاد فرماتے ہیں چنانچہ ایک جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ۔ یعنی وہ ہمارے بہترین بندے تھے۔ لہٰذا تمام انبیاء علیہم السلام خود بھی عبد کامل تھے اور اپنی امتوں کو بھی عبدیت کی دعوت پیش فرماتے رہے۔ صوفیائے کرام کی تربیت اور ان کے مجاہدات جن کو اصطلاح تصوف میں تزکیہ نفس، تصفیہ قلب، تجلیہ روح اور تخلیہ سر سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کا مقصود بھی عبدیت میں کمال پیدا کروانا ہے اور عبدیت میں کمال پیدا کیے بغیر نہ توحید مکمل ہو سکتی ہے اور نہ وصول الی اللہ ممکن ہے۔ لیکن افسوس کہ اس فتنہ و فساد کے دور میں عبد النفس، عبد الدینار اور عبد الدنیا کی کمی نہیں لیکن صحیح معنی میں عبد اللہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں اسی لیے شاید کسی شاعر کو یہ شکایت کرنے کا موقع ملا ؎

اللہ ملے جس سے وہ ڈھونڈا نہ ملا ؛ ہو نادر کسی قطب پہ کعبہ نہ ملا

خانقاہوں میں مساجد میں حرم میں ڈھونڈا لیکن عبد اللہ کا سجدہ نہ ملا

بندگی کی وضاحت، اُس کی تفصیل اور تکمیل کے لیے چار اصطلاحات کا ذکر ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے اپنے موقر خاکے میں فرمایا ہے (۱) اسلام (۲) اطاعت خدا اور رسُول (۳) تقوٰی (۴) عبادت۔ اسلام کے معنی ہیں فرمانبرداری اور وفا شعاری یعنی اپنے آپ کو اللہ کے حکم کے آگے SURRENDER کر دینا اسلام ہے۔ مسلم کا لفظ بھی اسلام سے ہی بنا ہے یعنی فرمانبردار۔ پھر یہی فرمانبرداری اور وفا شعاری جزوی اور جزوقتی نہیں بلکہ ہمہ تن، ہمہ وقت اور ہمہ وجوہ مطلوب ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً۔ اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں یعنی فرمانبرداری میں پُورے کے پُورے۔ ایک مسلمان اپنے خالق اور مالک حقیقی کا جزوقتی غلام نہیں بلکہ ہمہ وقتی غلام ہے

——— تکمیل بندگی کے لیے دوسری اصطلاح جو بتائی گئی ہے وہ ہے اطاعت خدا و رسُول ——— اسلام میں اطاعت خدا و رسول مقصود و مطلوب ہے چنانچہ حکم دیا گیا کہ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اللہ کے رسُول کی۔ پھر یہ بھی کہ اطاعتِ خدا اور رسُول زندگی کے تمام شعبوں میں ہونی چاہیے خواہ عبادات ہوں کہ اخلاق، معاملات ہوں کہ معاشرت، معیشت ہو کہ سیاست غرض زندگی کے ہر فیلڈ میں اطاعت خدا و رسُولؐ اسلامی تعلیمات سکھلاتی ہیں۔

Islam is not a departmental affair, but it is the Programme of whole life.

اطاعت کے سلسلے میں ایک بات خاص طور پر ذہن نشین کر لینے کی یہ ہے کہ اطاعت ہم اپنی مرضی اپنے پسندیدہ طریقے یا رواج کے مطابق نہیں کر سکتے بلکہ اطاعت کرنے میں اتباع رسُول کی شرط ہے اتباع کے معنی حضورؐ کے بتلائے ہوئے طریقے کے عین مطابق ذرہ برابر افراط و تفریط کیے بغیر عمل کرے۔ یہاں تک کے محبت الٰہی کے حصُول کا ذریعہ بھی حضورؐ کی اتباع و پیروی کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ اے نبیؐ آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو لیکن نفس پرست لوگوں نے محبتِ الٰہی کو کچھ اور چیز سمجھ لیا ہے اور اتباع کو کچھ اور۔ بقول کسی شاعر کے ؎

محبت اتباعِ سنت خیر الورٰی ہی ہے ؎ ہوس والوں کو یارب یہ حقیقت کون سمجھائے

تیسری اصطلاح جو بتلائی گئی ہے وہ ہے تقوٰی۔ کا حاصل یہ ہے کہ دل میں اللہ کا خوف و خشیت اور اُس کی کمالِ فرمانبرداری کے نتیجے میں کھلی معصیت حرام اور ناجائز چیزوں سے مکمل اجتناب کے ساتھ ساتھ مکروہات و مشتبہات سے بچنے کی کوشش کرنا صفتِ تقوٰی سے متصف ہونے کے

نتیجے میں آخرت میں نجات و کامیابی کے ساتھ ساتھ دنیا میں اللہ کی تائید و نصرت، مشکلات و پریشانیوں میں آسانی اور غیب سے روزی کی فراہمی کی عملی بشارتیں قرآن کریم میں موجود ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۝ جو کوئی اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی میں سے راستہ نکال دیتے ہیں اور اُسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں سے روزی ملنے کا اُسے گمان تک نہ ہو پھر سب سے اہم بات یہ کہ قرآن سے ہدایت ملنے کی شرط اوّلین بھی تقویٰ ہی قرار دیدی گئی ہے چنانچہ ارشاد عزاسمہ ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ یعنی قرآن کے ذریعہ انہیں کو ہدایت نصیب ہوگی جو متقی ہیں پھر یہ بھی کہ نہ صرف کسی نہ کسی درجے میں صفت تقویٰ کو پیدا کر لینا کافی سمجھا گیا بلکہ تقویٰ کے اُس معیار پر پورا اترنے کا حکم دیا گیا جو اللہ کو مطلوب ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ - اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسے اُسے اختیار کرنے کا حق ہے۔ عام طور پر مسلمانوں نے تقویٰ کو خدا ترس بزرگوں کے لیے ایک ذوقی اور اضافی چیز سمجھ لیا ہے جس کو حاصل کرنا نجات کے لیے ضروری نہیں بلکہ یہ صرف ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا آیت سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ ہر مسلمان کے لیے نہ صرف تقویٰ مطلوب ہے بلکہ پورے معیار کے ساتھ مطلوب ہے۔

چوتھی اصطلاح ہے عبادت۔ عبادت کیا ہے؟ عبد و معبود میں تعلق و ربط پیدا کرانے کا ذریعہ یعنی MEDIUM عبادت کہلاتی ہے۔ قرآن کریم میں عبادت کو جن و انس کا مقصد زندگی بتلایا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ اور ہم نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر ہماری عبادت کے لیے ؎

زندگی آمد برائے بندگی ؎ زندگی بے بندگی شرمندگی اور پھر یہ بھی کہ ؎

تو برائے بندگی ہے یاد رکھ ؎ بہر ہر اگندگی ہے یاد رکھ

چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ ؎ ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ

مشہور عبادات جیسا کہ آپ جانتے ہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدقات خیرات، ذکر، تسبیح تلاوت، دعا وغیرہ ہیں لیکن شریعت میں عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ زندگی کا ہر چھوٹا بڑا عمل جس کو حکم خدا و رسول کے تحت حضورؐ کے بتلائے ہوئے طریقے کے عین مطابق خلوص نیت کے ساتھ کیا جائے وہ عبادت میں داخل ہے۔ مختصر یہ کہ امر حاضر کی تکمیل خلوص نیت کے ساتھ عبادت کہلاتی ہے اگر شادی بیاہ، کھانا کھانا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا یہاں تک کہ بول و براز کرنے میں اخلاص کے ساتھ

حکم خدا و رسول کی رعایت کیجائے تو وہ عبادت میں داخل ہوکر مقصد زندگی کی تکمیل کا ذریعہ بنیں گے لیکن اکثر لوگ اِس حقیقت سے غافل ہیں۔ بقول جگر مراد آبادی ؎

محوِ تسبیح تو ہیں صاحبِ ادراک نہیں
زندگی خود ہی عبادت ہے نہیں ہوش نہیں

یہاں عبادت، عادت اور بدعت کے سلسلے میں ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیئے وہ یہ کہ عبادت پر امر ہوتا ہے اور اُس کا طریقہ متعین طور پر بتلایا جاتا ہے اور عادت پر نکیر ہوتی ہے اور طریقہ نہیں بتلایا جاتا۔ جس عبادت پر امر نہ ہو وہ بدعت ہے اور جس عادت پر نکیر نہ ہو وہ جائز ہے۔ مثال کے طور پر نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ عبادات ہیں ان کے کرنے کا امر ہے یعنی شریعت میں ان کا حکم موجود ہے اور ساتھ ساتھ ان پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا گیا ہے۔ اب رہا عادات جیسے جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، شراب پینا وغیرہ ان پر صرف نکیر ہے، ان عادات کو اختیار کر کے نہیں بتلایا گیا کہ اس اس طرح کرنا منع ہے یعنی جھوٹ بول کر، دھوکہ دے کر یا شراب پی کر نہیں بتلایا گیا کہ اس طرح یہ عادات اختیار مت کرو۔ ہاں جن عادات پر نکیر نہ ہو اُن پر عبادات کی طرح امر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ عدم نکیر ان کے جواز کے لیے کافی ہے۔ جیسے کسی کو صبح میں چہل قدمی کرنے کی عادت ہے کسی کو پیراکی کا شوق ہے کوئی شوز پہننا پسند کرتا ہے کسی کو چپل پہننے کی عادت ہے وغیرہ اب ان تمام عادات پر شریعت میں کسی قسم کی نکیر نہیں ہے اگرچہ ان کو اختیار کرنے کا امر بھی نہیں لیکن محض عدم نکیر کی وجہ یہ جائز ہیں بلکہ اگر یہ کسی عبادت میں معین و مددگار ہوں تو یہ بھی باعثِ حصولِ ثواب ہو جاتے ہیں اس نکتے کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو پھر مبتدعین کا اپنی خود ساختہ بدعات کے جواز کو ثابت کرنے کے سلسلے میں یہ استدلال پیش کرنا کہ ہمارے ان اعمال پر نکیر کہاں ہے بتلاؤ خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔

اسلام، اطاعت خدا و رسول، تقویٰ اور عبادت کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے آگے ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر جان بوجھ کر کوئی ایک معصیت بھی مستقل طور پر اختیار کر لی گئی اور اس پر توبہ کی بروقت توفیق نہ ملی تو اس سے نہ صرف تمام نیکیوں کے چلے جانے بلکہ جہنم میں داخلے حتیٰ کہ خلود فی النار تک کا اندیشہ ہے (البقرہ ۸۱) اِلّا یہ کہ حقیقی اور واقعی اضطرار ہو۔ اس میں قرآن شریف کی جس آیت کا ڈاکٹر صاحب نے حوالہ دیا ہے اس میں یہودیوں کے لیے خلود فی النار یعنی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا بتلایا گیا ہے اس لیے کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضورؐ کی رسالت کے منکر ہونے کی وجہ کافر ہیں۔ اور کفر کی وجہ ان کا کوئی بھی عمل صالح مقبول نہیں اور ان میں سزا یا بدی ہی بدی ہوگی جس کی جزا ابدی جہنم اور خلود فی النار ہے بخلاف اہل ایمان کے کہ اول تو ان کا ایمان خود بہت بڑا عمل صالح اور

باعث نجات ہے اور پھر جو بھی چھوٹے بڑے نیک اعمال ہوں گے وہ مزید برآں۔ لہٰذا اس آیت کا مصداق صرف کفار ہی ہیں اہل ایمان پر یہ منطبق نہیں ہو سکتی۔ فرقہ معتزلہ کا البتہ مسلک یہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے ایمان چلا جاتا ہے لیکن اہل سنت والجماعت کا مضبوط مسلک کتاب وسنت کی بنیاد پر یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں اور جب کافر نہیں تو اس کے لیے خلود فی النار نہیں۔ اس سلسلہ میں دلیل کے طور پر ایک مشہور حدیث پیش کی جاتی ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا جس نے لاالٰہ الا اللہ کا اقرار کیا وہ جنت میں داخل ہوا راوی نے سوال کیا کہ اگر چہ وہ چوری کرے اور زنا کرے اس پر حضورؐ نے فرمایا ہاں اگرچہ وہ چوری کرے اور زنا کرے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا یہ نقطۂ نظر کہ کسی مومن کا عدم توبہ کی صورت میں اس کے تمام نیکیوں کا ضائع چلا جانا اور ابدی طور پر جہنم میں رہنا محل نظر ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے مرتب کردہ خاکے میں دوسرا اساسی دینی فریضہ جو بتلایا گیا ہے وہ یہ کہ دوسروں کو حتی المقدور اسلام کی تبلیغ کرے اور دین کی دعوت دے۔ اس کے لیے انذار، تبشیر، تذکیر، وعظ، نصیحت، وصیت، تعلیم، تبیین، تلقین، تبلیغ، دعوت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور شہادت علی الناس جیسی قرآنی اصطلاحات کا ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا نہ صرف اہتمام وتاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے بلکہ اسے اس امت کا طغرائے امتیاز اور فرض منصبی بتلایا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ○ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے نکالی گئی ہو، تم نیکیوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اس آیۂ مبارکہ میں امت کو خیر امت یعنی بہترین امت کہا گیا ہے یعنی حضورؐ کی امت تمام دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے مقابلے میں افضل ترین امت ہے جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے برپا کی گئی ہے یعنی اس کا دیگر امتوں کے مقابلے میں افضل واشرف ہونا دوسروں کی نفع رسانی کی وجہ سے ہے اور وہ مخصوص نفع رسانی دوسروں کو نیکیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کی ہے۔ پھر یہ کہ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ میں عموم ہے پوری امت اور امت کا ایک ایک فرد مراد ہے کیونکہ اگر صرف علماء کے ذمہ ہی دعوت وتبلیغ کا فریضہ ہوتا تو کُنْتُمْ خَيْرَ عُلَمَاء کہہ کر مخاطب کیا جاتا اور اگر صرف واعظین ومبلغین کے ذمے ہی تبلیغ کا فریضہ رہتا تو کُنْتُمْ خیر واعظین یا کنتم خیر مبلغین کہا جاتا لیکن ایسا نہیں کہا گیا بلکہ کنتم خیر امۃ کہہ کر پوری امت اور امت کے ایک ایک فرد کا یہ خصوصی وصف بیان کیا گیا ہے۔ آگے اخرجت للناس کہہ کر میدان دعوت وتبلیغ

کوتا قیامِ قیامت پوری دنیائے انسانیت کے لیے وسیع کر دیا گیا ہے کہیں کہ اگر ہماری ذمہ داری صرف اپنی اصلاح کی حد تک محدود ہوتی تو اُخرِجَتْ لِلنَّفس کہا جاتا اور اگر صرف گھر والوں کی اصلاح و تبلیغ ہی پر بس کر دیا جاتا تو اُخرِجت لِلبَیت کہا جاتا یا اگر دعوت و تبلیغ کی وسعت اپنی بستی کی حد تک مقرر ہوتی تو اُخرِجت للقریہ کہا جاتا لیکن اُخرِجَتْ لِلنَّاس کہکر پوری دنیائے انسانیت کے لیے دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ہمارے اُوپر ڈال دی گئی اور پوری انسانیت کے لیے فکرمند ہونے، بے قرار ہونے اور تڑپنے کا حکم دیا گیا۔ گویا ہم امیر مینائی کے اس شعر کے مصداق ہیں ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر ؏ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر۔

اور پھر یہ بھی فرمایا گیا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۝ اے نبی ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بالکل اسی طرح اس آیت میں آپکی اُمت کو مخاطب کر کے فرمایا گیا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یعنی اے اُمت محمدیہ تم بھی حضور کی نیابت میں دنیائے انسانیت کے لیے داعی و مبلغ بنا کر نکالے گئے ہو۔ جسطرح حضور امام الانبیاء ہیں اسی طرح انبیائی مشن سے مفتخر ہونے کے نتیجے میں آپ کی اُمت بھی امام الاقوام ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے بھی فرمایا ؎

جس طرح احمد مختار ہیں نبیوں میں امام ؏ ان کی اُمت بھی ہے دُنیا میں امام الاقوام

بلکہ ایک اور جگہ علامہ اقبال نے صرف اپنے ذکر و تسبیح میں مست رہ کر اعلائے کلمۃ الحق سے روگردانی کرنے والوں کے مسلک کو مذہبِ مُلّا و نباتات و جمادات کہکر طنز کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

اندازِ بیاں گرچہ میرا شوخ نہیں ہے ؏ شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات
یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل ؏ یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست ؏ یہ مذہبِ مُلّا و نباتات و جمادات

اب آگے اِس آیت پر غور کیجئے کہ اس میں جو اُخرِجَتْ لِلنَّاس کہا گیا ہے یعنی تم لوگوں کی نفع رسانی کے لیے نکالے گئے ہو اور وہ مخصوص نفع رسانی آگے متعین طور پر نہ بتلائی جاتی تو ہر شخص اپنے طور پر اپنی سہولت اور حالت کے اعتبار سے اُمت کے لیے نفع رسانی کا طریقہ مقرر کر کے اس پر قناعت کر لیتا

اور یہ سمجھتا کہ میں نے اس آیت کا حق ادا کر دیا مثلاً کسی بھوکے کو کھلا کر ننگے کو پہنا کر، کسی مصیبت زدہ سے اُس کی مصیبت دور کر کے یا کوئی رفاہِ عام کا کام کر کے مطمئن ہو جاتا تو اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے اس آیت میں ان موقتی اور فانی منافع کے علاوہ لافانی نفع رسانی کے لیے پابند کیا گیا یعنی فرمایا گیا تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی تم نیکیوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو جس کے نتیجے میں ابدی نفع حاصل ہونے کی اُمید ہے۔ علاوہ ازیں اس میں تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی تم نیکیوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ یعنی خیر امت ہونے کی وجہ سے یہ تمہاری فطرت ثانیہ، عادت جاریہ اور خصوصی وصف و خوبی ہے۔ اس آیت میں ایک نکتہ قابلِ غور یہ بھی ہے کہ اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایمان سے بھی مقدم کیا گیا ہے۔ علمائے کرام نے اس کے تین مطالب بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت یہاں بیان کرنی تھی اس لیے اُسے ایمان سے مقدم کیا گیا اور دوسرا مطلب یہ کہ ایمان والوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ یہ کام انجام دیتے رہیں اور تیسرا مطلب یہ کہ چونکہ بغیر ایمان کے کوئی عمل مقبول نہیں اس لیے آخر میں تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کہکر ایمان کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ اس آیت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ کن قول بھی سن لیجئے۔ چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ تِلْكَ الْاُمَّةِ فَلْيُؤَدِّ شَرْطَ اللّٰهِ فِيْهَا جس کسی کو یہ بات خوش کرتی ہو یعنی جو کوئی اپنے لیے اس بات میں فخر محسوس کرتا ہو کہ وہ حضورؐ کی امت میں ہے تو اُسے اس شرط کو پورا کرتے رہنا چاہیئے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ منصبی کو انجام دیتا رہے۔ ان کے علاوہ دو تین آیات مزید اس فریضۂ تبلیغ کی اہمیت کے پیشِ نظر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۔ اے نبیؐ آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف علیٰ وجہ البصیرت لوگوں کو دعوت دیتا ہوں۔ میں اور میری اتباع کرنے والے یعنی یہ کام صرف میں اکیلا ہی نہیں کرتا ہوں بلکہ میری اتباع میں میری امت بھی اس فریضہ کو انجام دیتی ہے، یہی وجہ تھی کہ حضراتِ صحابہؓ جوں ہی حضورؐ کی دعوت کو قبول کر کے اسلام کی آغوش میں آجاتے تو ان کا سب سے پہلا اور بنیادی کام یہی ہوتا کہ حضورؐ کی اتباع اور آپ کی نیابت میں دوسروں میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع فرما دیتے گویا وہ اس آیت کی عملی تصویر تھے۔ دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اس سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے۔ کہ جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک اعمال کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا

بُرا سمجھ کر اُسے مٹانے کے لیے فکر مند ہو جائے اور فرمایا کہ یہ ادنیٰ درجے کا ایمان ہے اور ایک روایت میں لیسَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَان کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی کسی منکر کو ہوتا ہوا دیکھ کر دل میں کھٹک بھی محسوس نہ کرے تو ایسے شخص کے اندر رائی کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ اس حدیث کے سلسلے میں مجدد مبلغ حضرت مولانا محمد الیاسؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح منکرات کو رد کرنے کے سلسلے میں پہلے ہاتھ پھر زبان اور آخر میں دل کو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح معروفات کو عام کرنے اور پھیلانے کے سلسلے میں بھی پہلے ہاتھ یعنی جسمانی قوت کو استعمال کریں پھر زبان یعنی وعظ و نصیحت کریں اور آخر میں دل کی توجہ یعنی دین کو پھیلانے کے لیے فکر اور تڑپ اور دعا ہونی چاہیئے۔ صحیح بخاری شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کی موت اس حال میں آئے یعنی مرتے دم تک وہ اس عمل میں مصروف رہے کہ وہ علم دین کو طلب کر رہا ہو تا کہ اس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے تو اس کے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان میں جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا یہ چند آیات و احادیث بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں ورنہ ساٹھ سے زائد آیات اور سینکڑوں احادیث میں امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دین کی دعوت و تبلیغ کی ترغیب مختلف انداز اور پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔

ان تمام آیات و روایات سے یہی ثابت ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت کے ہر ہر فرد پر لازم ہے البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کی تبلیغ کر رہا ہے اس کا صحیح علم حاصل کرے اور اور حدود معلوم کرے پھر اپنے امکان پھر استطاعت و قدرت کے مطابق دعوت و تبلیغ کا کام کرے پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ فرائض کی تبلیغ فرض، واجبات کی تبلیغ واجب اور مستحب کی تبلیغ مستحب کے درجے میں ہے۔ اسی طرح حرام اور ناجائز کاموں پر نکیر کرنے میں شدت ہوگی اور مکروہات میں نرمی علاوہ ازیں موقع محل، حالات و افراد کے لحاظ سے حکمت و موعظت اور مصلحت بھی پیش نظر رہے۔

اس سلسلہ میں آگے ڈاکٹر صاحب نے جو بات کہی ہے وہ کسقدر قابلِ توجہ ہے کہ "سب سے بڑھ کر یہ سید المرسلین محمد رسول اللہ صلعم پر ختم نبوت کا منطقی نتیجہ ہے کہ اب تا قیام قیامت تمام انسانوں پر اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اتمام حجت یعنی شہادت علی الناس کی ذمہ داری بحیثیت مجموعی امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کندھوں پر ہے" ایک مرتبہ رئیس المبلغین حضرت مولانا یوسف صاحبؒ نے کسقدر صحیح ارشاد فرمایا کہ ختم نبوت شعبہ ہے کارِ نبوت کی منتقلی کا انبیاء علیہم السلام سے امت کی طرف۔

اب آیئے تیسرے فریضے کی طرف وہ یہ کہ ہر مسلمان اللہ کے کلمے کی سربلندی اور دینِ حق

کے بالفعل قیام اور غلبے کے لیے تن . من ، دھن سے کوشاں ہو یقیناً ہمیں اپنی جان و مال اور بہترین صلاحیتوں کو راہِ حق میں دین کے احیاء اور اس کی سربلندی کے لیے لگا دینا چاہیئے ۔ کیونکہ ہم اپنی جان و مال کا سودا اللہ تبارک و تعالیٰ سے جنت کے عوض کر چکے ہیں ۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ بیشک اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے مومنین سے اُن کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض یہ اللہ تعالیٰ کا کسقدر کرم ہے کہ جان و مال کے صحیح استعمال پر جنت عطا کرنے کا وعدہ فرما رہے ہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ جان و مال ان ہی کا عطیہ ہے اگر ہم اسے اللہ کے دین کی سربلندی اور شادابی کے لیے لگا بھی دیں تو اس شعر کے مصداق ہوں گے سہ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس تیسرے فریضے کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے قرآن کی چار اساسی اصطلاحات پیش فرمائی ہیں (۱) تکبیر رب (۲) اقامتِ دین (۳) اظہارُ دینِ الحق علَی الدینِ کُلّہٖ اور (۴) لِیکُونَ الدین کُلّہٗ لِلّٰہ اور پانچویں حدیث نبوی کی اصطلاح ہے لِتکونَ کلمۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلیا۔ پھر ان کی تین عام فہم تعبیرات (۱) قیام حکومت الٰہیہ ، نفاذِ نظام اسلامی اور اسلامی انقلاب ۔

اس میں پہلی اصطلاح تکبیر رب بیان کی گئی ہے تکبیر رب سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک نماز ہے کیونکہ آگے کی آیت وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ہیں کپڑوں کو صاف رکھنے کا جو حکم ہے اُس سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ نماز کے لیے طہارت لباس ضروری ہے لیکن بعض مفسرین نے اس سے اعلائے کلمۃ الحق بھی مراد لیا اور آگے کی آیت میں جو لباس کی طہارت کا حکم ہے اُس سے نماز کے وقت ہی کی طہارت مُراد نہیں بلکہ ہمیشہ لباس کو پاک و صاف رکھنے کا حکم ہے ۔ یہاں دوسری تیسری اور چوتھی اصطلاح جو بتلائی گئی ہے اُس سے مُراد یہ ہے کہ اللہ کی اس سرزمین پر تمام ادیان باطلہ و کلماتِ باطلہ کے مقابلے میں دین حق کو غالب کرنے اور قوانین الٰہیہ کو نافذ کرنے کے سلسلے میں سر دھڑ کی بازی لگا دی جائے ۔ چوتھی اصطلاح جو حدیث نبوی کی بیان کی گئی ہے یعنی لتکونَ کلمۃُ اللہ ھیَ العُلیا تو اس سے مراد محدثین کرام نے استدلالی قوت کے ساتھ اللہ کے کلمہ کو بلند و بالاتر کرنا لکھا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کَلِمَۃُ اللّٰہِ تَعْلُوْ وَلَا تُعْلٰی ۔

متذکرہ بالا تین فرائض دینی یعنی بندگیٔ رب ، دعوت و تبلیغ اور اقامتِ دین کی باہمی نسبت اور ان کے ایمان و ارکانِ اسلام کے ساتھ ربط و تعلق کو سہ منزلہ عمارت کی مثال سے واضح

کیا گیا ہے وہ بہت ہی عمدہ نہایت جامع اور بے حد دلنشین ہے۔

یہاں ایک مسلمان کے جو اہم ترین تین فرائض بیان کیے گئے ہیں ان کو میرے نزدیک اور بھی اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے تو دو ہی ہو جاتے ہیں۔ ان میں ایک ہے اصلاحِ نفس اور دوسرا اشاعتِ حق۔ ان دونوں کا مقصود رضائے حق ہونا چاہیئے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک مسلمان کے دو اہم ترین مقاصد ہیں اور ایک مقصود ہے۔ دو مقاصد میں ایک اصلاحِ نفس اور دوسرا اشاعتِ حق ہے اور ان دونوں کا مقصود رضائے حق ہے کیونکہ مقاصد ایک سے زائد ہو سکتے ہیں لیکن مقصود صرف ایک ہی ہوتا ہے فی زمانہ رضائے حق کو مقصود بنا کر اصلاحِ نفس اور اشاعتِ حق کا کام جسکو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے انتہاء محبوبیت و مقبولیت عطا فرمائی ہے جو نصف صدی سے زائد عرصے سے تمام دنیا کے چپے چپے میں ایسے بہترین برگ وبار پیدا کر رہا ہے اور جس کے ذریعہ امت کے ہر ہر طبقے کی اصلاح ہو رہی ہے وہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی جاری کردہ تبلیغی نقل وحرکت ہے جو کتاب وسنت سے ماخوذ نہایت جامع اور مؤثر اصولوں کے تحت ہو رہی ہے۔ بقول حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی صاحب مرحوم اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کے انبیائی مشن کے اعلیٰ ترین اور نازک ترین کام کو ایک فن کی حیثیت سے حضرت مولانا الیاس ؒ کے قلب پر القاء فرما دیا۔

اس کے علاوہ اور بھی چھوٹی بڑی کوششیں مختلف افراد، اداروں اور جماعتوں کی طرف سے ہو رہی ہیں اُن سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا انبیائی مشن کی ان اعلیٰ اور مبارک کوششوں کی جو سلسلۃ الذہب یعنی سنہری زنجیر ہے۔ اُس کی ایک اہم ترین کڑی حضرت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ کی انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈیمی بھی ہے جس کی اساس دین کے حقیقی اور بے غبار سرچشمے قرآن مجید پر ہے جو تمام امت کے درمیان کلمۃ سواء کا درجہ رکھتا ہے اور دعوت کا یہ بنیادی اسلوب ہے کہ اپنے کام کی اساس کلمۃ سواء ہی کو بنایا جائے تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی ان مبارک کوششوں کو شرف قبولیت سے نوازے اور انہیں سارے عالم میں دین کے احیاء اور اس کی سربلندی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

تبادلۂ خیال

ڈاکٹر اسرار احمد کی بیعت سمع وطاعت اور عبدالمجیب صاحب کا منفی اندازِ فکر۔

مولانا سعید الرحمٰن علوی

محترم عبدالمجیب صاحب نامی کوئی بزرگ ہیں، انہوں نے ملک کے مختلف رسائل میں اپنا ایک مضمون شائع کرایا ہے ——— جسکا عنوان ہے:

"ڈاکٹر اسرار احمد اور بیعت سمع وطاعت، چند قابل غور پہلو"

ڈاکٹر صاحب کی انجمن خدام القرآن کا سالانہ اجتماع ہر سال منعقد ہوتا ہے جس میں ڈاکٹر صاحب کوشش کرکے ملک کے ذمہ دار علماء اور اہل قلم کو دعوت دیتے ہیں۔ ان اجتماعات میں مولانا شمس الحق افغانی، مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا عبیداللہ انور جیسے حضرات شریک ہو چکے ہیں اور زندہ حضرات میں سے مولانا محمد طاسین، مولانا سعید احمد اکبر آبادی مولانا اخلاق حسین دہلوی، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی جیسے حضرات ان محافل کو اپنے افکار و آراء سے آگاہ کر چکے ہیں امسال ۲۳ تا ۲۸ مارچ کو ڈاکٹر صاحب کے مرکز کے بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور" یہ اجتماع منعقد ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اب کی مرتبہ کوشش یہ کی اور یہ کوشش ایک خوبصورت جدت تھی کہ اپنی تنظیم اسلامی کے پروگرام پر مشتمل ایک مختصر خاکہ ملک کے یکصد کے قریب علماء کو بھیجا کہ وہ اس پر غور فرمائیں اور کھلے دل و دماغ سے اس پر تنقید و تبصرہ کرکے اپنی رائے سے آگاہ کریں اور تنظیم کے کارکنوں کے اجتماع میں تشریف لاکر اپنی رائے سے مطلع فرمائیں تاکہ کارکنان تنظیم اسلامی کو رہنمائی نصیب ہو۔

ہماری معلومات کے مطابق محترم مجیب صاحب اس فہرست میں شامل نہ تھے جنہیں یہ دعوت نامہ ارسال کیا گیا ہمیں قطعاً حرج نہیں کہ انہوں نے اپنے طور پر اس طرف توجہ دی اور اپنی رائے سے مطلع کیا، انہوں نے اپنے افکار تحریری طور پر نہ صرف ڈاکٹر صاحب کو ارسال کیے بلکہ بعض رسائل میں بھی ان کو برائے اشاعت بھیج دیا۔ ہمارے خیال میں ان کا یہ اقدام بوجوہ ناپسندیدہ تھا، انہوں نے اپنی رائے

ڈاکٹر صاحب کو ارسال کر کے اپنا فرض ادا کیا اب رسائل و جرائد میں اس کی اشاعت کوئی پسندیدہ بات نہ تھی اس سے ایک ناگوار بحث کے چھڑ جانے کا اندیشہ ہے جس کی صائب الفکر اور سنجیدہ اہل علم و قلم سے توقع نہیں کی جا سکتی۔

ہمیں مجیب صاحب سے شخصی تعارف نہیں، ہاں شنید ہے کہ وہ کسی زمانہ میں اسلامی جمعیۃ طلبہ کے سرگرم رکن رہ چکے ہیں اور اغلباً اسی دور میں رکن تھے جب ڈاکٹر صاحب اس تنظیم میں شامل تھے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی میں شمولیت کر لی پھر علیحدگی کا دور آیا تو شنید یہ ہے کہ مجیب صاحب اس علیحدگی کے عمل سے سخت ناراض تھے۔ مگر مجیب صاحب بعد میں خود بھی اس قافلہ سے الگ ہو گئے، یہ بھی معلوم ہوا ہے اور غالباً کسی رسالہ میں ایسا چھپا بھی کہ وہ سعودی عرب میں کسی محکمہ میں مشیر کا فرض سرانجام دے چکے ہیں اور آج کل ان کا گہرا تعلق و ربط مولانا ظفر احمد انصاری جیسے بزرگوں سے ہے جو ایک مخصوص سوچ کے حامل ہیں موصوف کے اس پس منظر سے واقفیت کے بعد ان کے موجودہ افکار کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ ساری تحریر کو پڑھنے کے بعد تاثر یہی ابھرتا ہے کہ ان کے نزدیک پاکستان کی موجودہ حکومت اور اس کے سربراہ ایک آئیڈیل انسان ہیں اور دسمبر ۱۹۸۴ کا ریفرنڈم ان کے حق میں اجتماعی بیعت کا مصداق ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اب کسی کو لب کشائی کی اجازت نہیں۔ بلکہ باادب بلاملاحظہ ہشیار کے سے انداز میں زندگی گزارنے اور دم نہ مارنے والی صورت ہے، لیکن یہ بات کسی طرح صحیح نہیں اور مجیب صاحب خوب جانتے ہیں کہ تقسیم ملک ۱۹۴۷ سے لیکر اب تک جتنی مختلف حکومتیں آئیں ان میں سے موجودہ حکومت واحد حکومت ہے جس نے اسلام کا پروپیگنڈا بے انداز طریق سے کیا لیکن اسی کے دور میں اسلامی اقدار و روایات کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔

ہم سیاسی مسائل کو چھیڑے بغیر دینی حوالہ سے اگر گفتگو کریں اور وہی ہمارا مطمع نظر ہے تو پھر یہ کہنے میں قطعاً باک نہیں کہ اس دور کے حکمرانوں نے ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ آئندہ شاید اس ملک میں اسلام کا نام لینا آسان نہ ہو۔

چادر چار دیواری سے جو بات چلی تو لڑکیوں کی ہاکی ٹیم تک پہنچی پھر قانون شہادت کے حوالہ سے عورتوں کا ہنگامہ، اسمبلیوں اور وزارتوں میں عورتوں کا راج، یہ سب باتیں اس ابتدا کی نفی ہیں، اور ملک کی خاتون اول کا ساری دنیا میں بے باکی سے پھرنا ایک ایسا المیہ ہے جسکی کوئی توجیہہ ممکن نہیں۔

وفاقی شرعی عدالت قائم کرنے کے باوصف بعض نہایت درجہ غلط اور فاسد قوانین کو تحفظ بھی اسی دور کا معاملہ ہے، فقہ جعفریہ کے علمبرداروں کے معاملہ میں نرم گوشہ اور اسی حوالہ سے معاشیات میں

بدعملی اور ملک کے پرسنل لاء ہیں بدعملی بھی اسی دور میں دیکھنے میں آئی فرقہ وارانہ اختلافات اور جھگڑوں نے اس دور میں پوری قوت سے سر اٹھایا، ان معاملات کے علمبرداروں نے پاکستان سے انگلینڈ تک مساجد کی خانہ ویرانی کا سامان کیا حتی کہ حرمین شریفین کی تقدیس کے عنوان سے خالص یہودیانہ پروپیگنڈا ہوا، اور یہ ایسے لوگوں نے کیا جو حکومتی اداروں میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور بہت بڑھ کر ستم یہ ہے کہ حکومت نے جو قومی سطح پر ادارے قائم کیے یا پہلے سے قائم تھے انہیں مسلکی بنیادوں پر افراد کا تقرر کر کے نہ صرف ان اداروں کی کارکردگی کو متاثر کیا بلکہ فرقہ واریت کے عفریت کو پالا پوسا۔ اس المناک کہانی کو کہاں تک بیان کیا جائے کہ اس دور میں اسلام کی کیا خدمت ہوئی؟

رہ گیا ریفرنڈم کا مسئلہ تو مجیب صاحب جیسے حضرات اگر خوفِ خدا سے عاری نہیں ہو گئے تو انہیں حقائق کو جھٹلانا نہ چاہیئے جو ریفرنڈم کے ساتھ وابستہ ہیں، ۵ سے ۱۰ فیصد یا بعض مقامات پر اس سے ۲،۴ فیصد سے زائد ووٹ پڑے اور بس، اور بعض ملحدوں اور بے دینوں کو یہ کہنے کی جسارت ہوئی کہ لوگوں نے اسلام کو معاذ اللہ مسترد کر دیا، ہمیں افسوس ہے کہ ایک طبقہ اس پر ادھار کھائے بیٹھا ہے کہ گویا موجودہ حکمران قرون اولیٰ کے مسلمان ہیں اور ان کے متعلق کوئی سخت بات کہنے والا فساد کا علمبردار ہے، اس ذہن کے مالک ایک بزرگ نے خود ڈاکٹر صاحب کے اجتماع مارچ ۸۵ء میں ایک دن نہیں دو دن ایسی طویل تقریر کی اور ملت کے جیدہ افراد کو تھپکیاں دے کر سلانے کی کوشش کی اور یہ باور کروایا کہ بس اسلام کی خدمت اپنے عروج پر ہے اور حکومت پوری طرح مخلص و مومن ہے لہذا کسی ایسی تنظیم و پروگرام کی ضرورت نہیں، سب ٹھیک ہو رہا ہے۔

کتنا ستم ہے کہ مزارات پر حاضری، وہاں دستار بندی، چادریں چڑھانا اور نوافل کی ادائیگی ہر حکومتی اہلکار کی زندگی کا لازمی حصہ بن چکا ہے اور حکمرانوں کے ساتھ ان کے بھی خواہ ان تمام روایات و آثار کو بھول چکے ہیں جو قبروں کی پختگی، وہاں عود و صلیب سلگانے، اور راگ و رنگ کی محفلیں بپا کرنے سے متعلق ہیں اور نہیں سوچتے کہ ایسے ہی اعمال کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کی تباہی و بربادی کا باعث بتایا تھا۔

مجیب صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ "ڈاکٹر صاحب نے اپنی تنظیم کو اپنے ہاتھ پر بیعت سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد پر قائم کر رکھا ہے اور اب وہ اس مخصوص بیعت کی تائید و توثیق دیگر اصحاب سے بھی کرانا چاہتے ہیں۔"

یہ اتنا بڑا الزام اور "دروغ بر گردن" ہے تو "..." کا مصداق معاملہ ہے کہ توبہ بھلی، ڈاکٹر صاحب

کا وہ دعوت نامہ میثاق مارچ ۸۵ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حکمتِ قرآن کی اشاعت مارچ میں بھی شائع ہو چکا ہے پھر الگ سے ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر وہ تقسیم ہوا، اس تقسیم کا مقصد عام لوگوں کو دعوت دینا تھا کہ وہ اس اجتماع میں شرکت کرکے اس موضوع پر علماء کی گفتگو سن سکیں اور اپنی ذمہ داریاں کو پہچان سکیں، تائید و توثیق کا کوئی معاملہ نہ تھا، ایک کھلی دعوت تھی۔ چنانچہ لوگ آئے، آنے والوں میں دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث سبھی طبقوں کے علماء تھے جماعت اسلامی سے الگ ہونے والے بعض حضرات تھے تو ایسے بھی تھے جو اب بھی اس کے بہی خواہ ہیں، یونیورسٹی اساتذہ کی بھی ایک تعداد تھی، ان سب حضرات نے کیا کہا، اس کی نہایت جامع لیکن مختصر داستان میثاق کے حالیہ شمارہ (اپریل ۱۹۸۵) میں خود ڈاکٹر صاحب کے قلم سے نکل چکی ہے۔

بعض مقررین کی تقریریں ہم نے خود سنیں انہیں سے ایسے بھی تھے، جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی فکر اور ان کے پروگرام پر خوب تنقید کی ڈاکٹر صاحب اور ان کے رفقاء میں سے کسی نے اسکا برا منایا نہ وہاں جوابی کارروائی کا انداز اختیار کیا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ مخالفت کرنیوالوں کا انداز ایسا ہی تھا جیسا مجیب صاحب کا ہے لیکن اس سے یہ بات تو بہر طور ثابت ہوتی ہے کہ معاملہ تائید و توثیق کا نہیں اظہارِ خیال کا تھا اور رہنمائی کے لیے اہلِ علم کو دعوت دی گئی تھی۔

مجیب صاحب نے اپنے طور پر ڈاکٹر صاحب کی دعوت کا جو خلاصہ نکالا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ "پاک[redacted]ورتی ممکن ہیں کم از کم معیار پر اسلامی نظامِ حکومت قائم ہے تو اس کے سربراہ کے ہاتھ پر بیعت ہو ورنہ جد و جہد کرنے والی جماعت کا اہتمام ہو" اس خلاصہ کے بعد جو انہوں نے خود ہی نکالا ہے، پھر یہ لکھا کہ یہ مبالغہ آمیز اور مغالطہ آمیز تصورات و دلائل ہیں، غلط مفروضے پر غلط دعویٰ ہے اور یہ کہ پاکستان کے اندر اپنی متوازی ریاست قائم کرنے کی غلط کوشش ہے۔"

پھر انہوں نے اسے انتہائی خطرناک اور خوفناک راستہ بتایا، اسے فسادِ بین المسلمین اور فتنہ و ہلاکت کی راہ سے تعبیر کیا ہمیں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ مجیب صاحب شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بن کر اللہ تعالیٰ کے بعض مخلص اور خدامِ دین و ملت بندوں کی کردارکشی کا جرم عمداً و قصداً کر رہے ہیں اور اسی پر منحصر نہیں بلکہ وہ اربابِ اختیار کو بھڑکانے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کی فکر میں ہیں کہ صاحب چند گستاخ آپ کی مقدس اسلامی ریاست کے باغی بن کر ایک متوازی ریاست کا ڈھونگ رچا رہے ہیں ایسے گستاخوں کو سزا دینا دین و ایمان کا تقاضا ہے ورنہ.......

لیکن ہم یہ عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ تاریخ کے ہر دور میں فواحش و منکرات کے

خلاف جہد وسعی کرنے والے بندگان اخلاص کے ساتھ ساتھ اقتدار کی چوکھٹ کو اپنی جبیں سائی سے آباد رکھنے والے موجود رہے ہیں، دونوں طبقوں کا اپنا اپنا کام اور اپنے اپنے فرائض ہیں، ایک کا مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی، اس کے عملی نفاذ کی سعی وکوشش اور فواحش ومنکرات اور بدعات ورسومات کے خلاف مجاہدانہ کاوش ہے تو دوسرے کا کام ارباب اقتدار کی حاشیہ نشینی، ان کے غلط وصحیح سبھی کی تصویب اور اہل دین کے خلاف انہیں بھڑکانا ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے ہمارا کوئی جماعتی رابطہ ہے نہ تعلق لیکن ہم نے اس تحریر کے بین السطور جو زہر ناکی محسوس کی، اس کے پیش نظر اپنا درد دل سامنے لانے پر مجبور ہو گئے۔

چند روایات واحادیث کا اس قسم کے زہرناک مقالہ میں اندراج اس بات کی دلیل نہیں کہ لکھنے والا قرآن وسنت پر اتھارٹی اور دین اسلام کے معاملہ میں مخلص ہے، یہ تو وہ حربہ ہے جو ہر دور میں ایسے لوگوں نے استعمال کیا، اگر اخلاص کی بات ہو تو افہام وتفہیم کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے، نہ کہ حکمرانوں کی نازک رگ اور احساس کو بھڑکانے کی نامشکور سعی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کو نیچا دکھایا جا سکے، ان سطور میں ان احادیث کے حقیقی مصداق پر گفتگو کا نہ وقت ہے نہ موقع، ہماری خواہش ہو گی کہ مجیب صاحب سے کبھی ملاقات ہو تو ہم اپنے ناقص علم کے مطابق ان سے اس موضوع پر گفتگو کریں۔

لیکن یہ بات بہر طور افسوسناک ہے کہ انہوں نے تہمت والزام، مغالطہ دہی اور حکمران پرستی کی حد کر دی، ایسی بعض مثالوں کا مختصر ذکر ہوا، آخر میں پھر ایسا ہی انداز ہے کہ اچھا جو شخص ڈاکٹر صاحب کی تنظیم کا ممبر نہیں یا اس سے نکل کر کسی دوسری تنظیم میں چلا جاتا ہے، یا مختلف النوع تنظیموں میں سے کسی کا ممبر نہیں تو وہ کافر ہو گا؟ اور جاہلیت کی موت مرے گا؟

حالانکہ ڈاکٹر صاحب کی گفتگو میں کہیں بھی تو اسکا ذکر نہیں، ذکر ہے تو محض اس بات کا کہ امت کا ہر فرد اپنی ذمہ داریوں، جی ہاں اپنی فرائض کو پہچانے۔ اس کے بعد یا تو کسی چلتے قافلہ کے ساتھ بشرط اطمینان لگ جائے، یا اپنے طور پر ترتیب قافلہ کی فکر کرے، لیکن مجیب صاحب خود ہی صغریٰ کبریٰ ملاتے اور نتائج برآمد کر کے دوسروں کے سر تھوپتے ہیں، ایسے ہی انہوں نے ایک اور خوب کہی کہ اپنی اتباع کی دعوت صرف نبی کا کام ہے دوسرے کسی کا نہیں۔ کسی دوسرے کو اسکی دعوت دیتے پھرنا روا نہیں، وہ سچا ہو گا تو لوگ خود ہی پہچان کر ساتھ لگ جائیں گے۔ بالکل صحیح، لیکن اس سے آپ جو نتیجہ برآمد کرنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کس چیز کے مدعی ہیں یا کس ادعاء کا شکار ہیں، وہ کہاں ہے؟ وہ کہتے ہیں تو بس یہی کہ جہاں زندگی کے سبھی مشاغل میں مصروف ومنہمک ہو وہاں اپنے اصلی فرض کو پہچانو

تمہارے خالق و مالک نے آخری نبی کے ذریعے جو دین تمہیں بخشا اس کے معاملہ میں تمہاری کچھ ذمہ داریاں ہیں ان کو پہچانو اور پہچان کر ان کی ادائیگی کی فکر کرو۔ اس سے وہ بات کہاں سے برآمد ہوئی جو مجیب صاحب کے نہاں خانہ دماغ سے اچانک ان کے قلم کے ذریعہ صفحہ قرطاس پر ٹپک پڑی۔

ہم توقع کریں گے کہ مجیب صاحب اور اس قماش کے بزرگ و احباب، صدق و اخلاص سے دین کی خدمت کرنے والوں کا راستہ روکنے کی بجائے ان کے دست و بازو بنیں گے اور دنیا کے چند روزہ عیش کے بجائے آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی کی فکر کریں گے کہ یہ چند روزہ عیش محض عارضی اور فانی ہے، اصل فلاح اور کامیابی کا معاملہ آخرت کے ساتھ ہے اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ آدمی اپنے خالق کے دروازے پر اس طرح جھک جائے کہ اسکا ہر قدم اس کی مرضی کے تابع ہو۔

اُمید کہ محترم مجیب صاحب ہماری تلخ نوائی کو معاف فرمائیں گے۔

اور ہماری ان گزارشات پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں گے

اللہ رب العزت ہمیں سلامتی قلب نصیب فرمائے اور صدق و اخلاص سے اپنے دین کی خدمت کی توفیق سے نوازے۔

بقیہ: تعارف و تبصرہ

اور معرفت وحدانیت ان کا عنوان ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ہر عنوان پر سیر حاصل اور جامع و مانع گفتگو کی گئی ہے تیسرا باب رسالت سے متعلق ہے چوتھا، پانچواں، چھٹا اور ساتواں آسمانی کتب، تقدیر، ایمان باللائکہ اور ایمان بالیوم الآخرۃ سے متعلق ہے جبکہ آٹھویں باب میں علامات قیامت پر گفتگو کی گئی ہے نویں باب میں اسلام کے دین فطرت ہونے پر نہایت درجہ پیاری بات چیت کی گئی ہے جبکہ آخری باب اسلام کے عالمگیر دین ہونے سے متعلق ہے جس میں ایک پیغام بھی ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے مدارس عربیہ کے درمیانی درجات میں بطور اسباق پڑھایا جائے اور انٹرمیڈیٹ کے عربی نصاب کا بھی اسے حصہ بنایا جائے تاکہ وہ بنیادی حقائق سے آگاہ ہو سکیں اور بدعقیدگی کے دور میں ان کی اصلاح ہو سکے۔

اگر جامعہ کے ارباب حل و عقد اس رسالہ کا ترجمہ کرا دیں تو اس سے عام لوگوں کو فائدہ ہوگا کہ یہ بڑا ہی قابل قدر اور وقیع رسالہ ہے۔

تعارف وتبصرہ

معرکہ سُنّت وبدعت ۲،۱ حصّہ   تالیف : محمّد اشفاق حسین۔

قیمت : ہردو حصّہ ۱۵/- + ۱۰/- روپے (ہندوستانی)

ملنے کا پتہ : محمد اشفاق حسین صدر مجلس احیائے توحید وسُنت ۱۷، ۵، ۳۸۹ الاوا، پی۔ بی

حیدرآباد۔ ۲۳ (انڈیا)

حیدرآباد دکن معرُوف جگہ ہے، مجلس احیائے توحید وسنت جسکا ماٹو " ان الشرک لظلم عظیم" والی قرآن کی مشہور آیت ہے اس کے صدر جناب محمد اشفاق حسین کے قلم سے یہ کتاب ہے جو مجمُوعی طور پر ۳۲۰ + ۱۷۶ اصفحات پر مشتمل ہے، کتاب کا ظاہری حسن وجمال، کتابت وطباعت اور گٹ اپ وغیرہ بہت مناسب اور دلکش ہے لیکن اسکا جو موضوع ہے وہ بڑا ہی قابلِ قدر ہے، اس لیے ہم نے اس کو بڑی توجہ اور انہماک سے پڑھا۔ فاضل مؤلف نے ٹائیٹل کے صفحہ پر کتاب کے نام سے نیچے جو لکھا اس سے ساری بات سامنے آجاتی ہے یعنی " بدعت کی باطل تقسیم "حسنہ" کے خلاف ایک عظیم کتاب" اور اندرونی ٹائیٹل کا سرنامہ ہے

" سُنت کے اثبات، بدعت کی باطل تقسیم اور تحریف دینی کے خلاف مدلّل، مفصّل اور فیصلہ کن کتاب" اس حقیقت سے تو عام مسلمانوں کو بھی واقفیت ہوگی کہ ہمارے لیے یا بالفاظ دیگر اُمّت مسلمہ کے لیے اصل سرچشمۂ نجات قرآن وسنت ہے، سنت نام ہے اللہ تعالیٰ کے آخری رسُول کے طریق زندگی و رہنمائی کا، لیکن بُرا ہو شیطان لعین کا کہ اس نے جس طرح توحید ربانی کے مقابلہ میں شرک کا اڈہ جمایا اسی طرح سنت کے مقابل بدعت کا کھونٹا گاڑا بدعت کہتے ہیں دین کے نام پر ہر کسی نئی چیز کا اختراع حدیث پاک میں اس کو گمراہی وضلالت سے تعبیر کیا گیا اور ضلالت وگمراہی کو جہنم کا باعث بتلایا گیا۔ بدعتی کی تعظیم وتوقیر کو نبی علیہ السلام نے سخت ناپسند کیا اور اسے دینی بنیادوں کو ڈھانے سے تشبیہ دی۔ اس سختی اور شدت کا سبب علماء کے نزدیک یہ ہے کہ بدعتی تکمیل دینی کے قرآنی عقیدہ کے خلاف عملی اقدام کرتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ علماء نے اس کے متعلق لکھا کہ وہ توبہ اور انابت سے محرُوم رہتا ہے، کیونکہ توبہ کا احساس اور پھر اس کے لیے عملی سعی وہ کرتا ہے جسے گناہ کا احساس ہو جو ایک باطل اور غلط چیز کو دین سمجھے وہ کاہے

کو اس طرف آئے گا۔

اس سلسلہ کا سب سے کامیاب شیطانی حربہ وہ ہے کہ بعض بدعات کو "حسنہ" کا نام دے کر اچھے اچھے لوگ پھنس جاتے اور گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب میں جہاں سنت و بدعت کے حوالہ سے دوسرے نہایت درجہ قابل قدر موضوعات پر ٹھوس، سنجیدہ اور متین گفتگو کی گئی ہے وہاں بنیادی طور پر "بدعت حسنہ" کے شیطانی حربہ اور قلعہ پر بیاری کی گئی ہے برعظیم ہندو پاک میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا "بدعت حسنہ" کے مروجہ رویہ کے خلاف قلمی و لسانی جہاد تو ایک مسلّم حقیقت ہے۔ اشفاق صاحب نے اس مسئلہ کو بڑے بسط سے بیان کیا قرآن و سنت کے دلائل اور ہر دور کے ذمہ دار علماء کی تصریحات سے ثابت کیا کہ بدعت بدعت ہے اس کا کوئی حصہ حسنہ نہیں اور یہ تقسیم باطل محض ہے۔ حقیقت ہے کہ ان کی کاوش و محنت بڑی ہی قابل قدر ہے اور ان پر رشک آتا ہے کہ انہوں نے کس طرح ٹھوس طریق سے یہ خدمت انجام دی اور اسلام اور سنت رسول کو اہل باطل کے حملوں سے بچایا، اس قسم کے عنوانات پر ان کی بعض اور تصانیف بھی ہیں جو دیکھنے کا اتفاق تو نہیں ہوا البتہ بڑے جلیل المرتبت علماء کے تبصرے ان پر دیکھے اور یہ کتاب نہ صرف دیکھی بلکہ توجہ سے پڑھی تو دل سے دعا نکلی، اللہ تعالیٰ اسے ان کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور اہل باطل، شرک و بدعت کے رسیا لوگوں کی ہدایت و اصلاح کا ذریعہ بنائے۔

۲۔ النظام العقائدی فی الاسلام — تالیف: شیخ محمد آصف افغانی

ملنے کا پتہ، ادارۃ البحوث والدعوۃ الاسلامیہ ڈرگری (کوہاٹ)

ملک کے کم ترقی یافتہ علاقہ کا یہ مدرسہ جہاں تدریسی خدمت اعلیٰ پیمانے پر سرانجام دے رہا ہے وہاں تصنیفی میدان میں اس کی خدمات لائق شکر ہیں۔ زیر نظر کتاب عربی زبان میں ہے اور جامعہ کے شعبہ تخصص فی الدعوۃ والعقیدۃ سے متعلق الشیخ محمد آصف کی تالیف، جسے پسند کیا پاکستان اور سعودی عرب کے بعض ذمہ دار علماء نے اور اپنی تقاریظ سے نوازا اور سرفراز کیا۔ اس کتاب کے دس باب ہیں جنمیں اسلامی عقائد پر الگ الگ گفتگو کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ دین اسلام پر ہی نہیں ہر فلسفہ اور فکر میں کوئی بنیادی مقدمات اور حقائق ہوتے ہیں جن پر اس فکر و فلسفہ کی بنیاد ہوتی ہے، دین اسلام جو آخری سماوی دین ہے اس میں نظام عقائد کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور وہ اس معاملہ میں بڑا حساس ہے پہلے باب میں "الحاجۃ الی العقیدۃ" کے عنوان سے اسی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے دوسرا باب ایمان باللہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے جس میں ضمنی طور پر سات فصلیں ہیں۔ معرفۃ وجود الٰہی، معرفت ذات ربانی، معرفت صفات باری

بقیہ صفحہ پر

مواقع پر انہوں نے فرمایا کہ میری شدید خواہش ہے کہ 'شام الہدیٰ' میں شرکت کروں لیکن معالجین اور تیمار دار اجازت نہیں دیتے۔ اس ماہ بھی ۱۹ مئی کو دن کے گیارہ بجے راقم عزیزم فصاحت اللہ حسینی کی معیت میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا ——— تو اندازہ ہوا کہ ان کی نقاہت میں دفعتہً بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ چنانچہ اسی وقت ماتھا ٹھنکا تھا کہ اب شاید دوبارہ ملاقات نہ ہو

راقم کو خوشی ہے کہ مولانا کی تدفین دارالعلوم' کورنگی کے قبرستان میں ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کل روئے زمین کی مسجدوں کو خانہ کعبہ کی بیٹیاں قرار دیا ہے۔ اس پر قیاس کیا جائے تو دارالعلوم کورنگی بھی دارالعلوم دیوبند کی بیٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا وہاں مولانا کی تدفین اس کے مترادف ہے کہ گویا دارالعلوم دیوبند کی ایک بیٹی نے اپنی مادرِ علمی کے ایک فرزند کو اپنی محبت بھری گود میں لے لیا اور اس طرح ع "پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا" والی بات پوری ہوگئی۔

مولانا اکبر آبادیؒ کی رحلت سے ایک ماہ سے بھی کم مدت قبل ۲۸ اپریل ۸۵ء کو لاہور میں جمعیت علماء اسلام کے امیر اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ کے فرزند ارجمند اور نائب و جانشین مولانا عبید اللہ انورؒ انتقال فرما گئے اور اس طرح "جماعتِ شیخ الہندؒ" کی ایک اہم شاخ کی آخری شخصیت بھی دنیا سے رخصت ہوگئی۔ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی شخصیت روایات کے اختلاف کی بنا پر کچھ متنازعہ سی ہوگئی ہے لیکن اس میں ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ حضرت شیخ الہندؒ کے انتہائی معتمد علیہ رفیق تھے اور ان کے شاگرد و جانشین تھے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ والد ماجد مولانا عبید اللہ انورؒ۔ حضرت لاہوریؒ کے دوسرے صاحبزادگان پہلے ہی راہیٔ ملک بقا ہو چکے ہیں۔ گویا یہ سلسلہ فی الحال تو ختم ہی نظر آتا ہے۔ اب دیکھئے کہ مولانا عبید اللہ انورؒ کے نوجوان صاحبزادگان میں سے کوئی ع "یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا" کا مصداق بنتا ہے یا نہیں!

راقم الحروف نے جس دینی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے اس میں اولاً تو روحانی فیض شامل رہا تھا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا کہ جس مسجد سے راقم کے درس قرآن کا آغاز ہوا اس کا سنگِ بنیاد حضرتؒ کا رکھا ہوا تھا۔ اور پھر عملی تعاون حاصل رہا مولانا عبید اللہ انورؒ کا۔ جس کے لئے راقم ان کا حد درجہ ممنونِ احسان ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ سے ان دونوں بزرگوں کے لئے رحمت و مغفرت اور ان کے پسماندگان کے لئے صبرِ جمیل کی دعا کرتے ہیں: اَللّٰھم اغفرلھما وارحمھما واد خلھما فی رحمتک و حاسبھما حسابًا یسیرًا۔ اَللّٰھم نوّر مرقدھما واکرم منزلھما والحقھما بالصالحین

——— آمین۔ یارب العٰلمین! ———

Regd. L. No. 8193

'HIKMAT-E-QURAN' MONTHLY LAHORE

Vol. 4 | JUNE 1985 | No. 4

ڈاکٹر اسرار احمد کے ٹی وی انٹرویو "روبرو" پر ممتاز و بزرگ صحافی جناب "م ش" کا تبصرہ !!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۳۔ باربلاک، نیو گارڈن ٹاؤن

لاہور، ۲۹ مئی ۱۹۸۵ء

اعلیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں ٹی وی پر آپ کا سارا پروگرام تو نہ سن سکا لیکن جتنا بھی سن پایا اس سے ایک ہی نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ آپ اقبالؒ کی زبان میں فرما سکتے ہیں :

با پرستارانِ شب دارم ستیز
باز روغن در چراغِ من بریز

حقیقت میں راستہ یہی ہے جو آپ نے اختیار فرمایا ہے۔ دراصل بقول اقبالؒ ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اللہ تعالےٰ آپ کو اس جہادِ عظیم میں استقامت بخشیں۔ ایک مرتبہ میں نے آپ کے مجلسِ شوریٰ سے مستعفی ہونے پر بزعم خویش آپ کو اپنے کالم میں تنقید کا ہدف بنایا تھا۔ لیکن میں اب محسوس کرتا ہوں کہ آپ حق پر تھے۔ اور میں نے آپ کے فیصلہ پر غلط تنقید کی تھی۔

"میثاق" کا ایک انگریزی ایڈیشن بھی نکلنا چاہیئے۔

مجھ سے ایک مرتبہ خان عبدالغفار خان نے کہا تھا کہ گاندھی جی کی عدم تشدد کی فلاسفی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مکی زندگی سے ماخوذ ہے ! والسلام

خاکسار، محمد شفیع